ماہنامہ

ترجمان القرآن

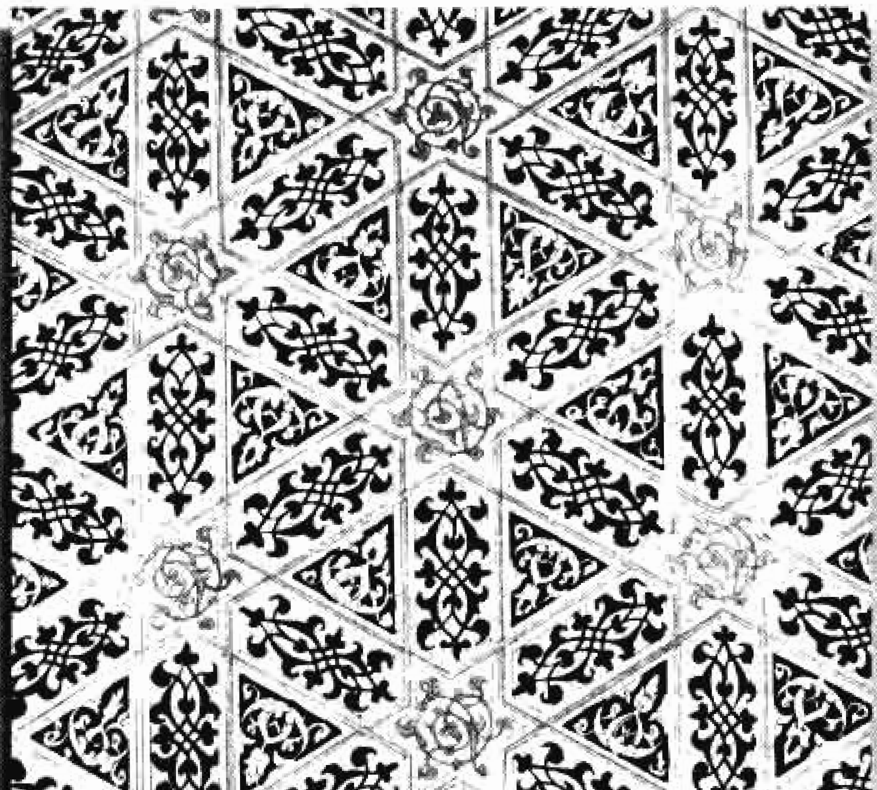
جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۱۹۹۸ء

مُدیر

خورشید احمد



ادارہ ترجمان القرآن

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خورشید احمد نائب مدیر: مسلم سجاد

جلد ۱۲۵ دسمبر ۱۹۹۸، شعبان ۱۴۱۹ عدد ۱۲

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فون: ۷۸۳۲۶۰۵

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵ ـ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۹ ـ ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے

زرسالانہ ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

بنگلہ دیش، ایران ۳۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ، یورپ

مشرق بعید، افریقہ ۴۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۵۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

اسلامی تہذیب

دراصل اسلامی تہذیب اس طریق فکر' اس نظریہ حیات اور اس معیار امتیاز و انتخاب کا نام ہے جو انسانوں کی کسی معتدبہ جماعت کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے' اور جس کے زیر اثر وہ جماعت دنیا میں زندگی بسر کرنے کے مختلف طریقوں میں سے کسی خاص طریقے کو اختیار کرتی ہے۔ اور تمدن اس خاص طرز زندگی کا نام ہے جو اسی تہذیب کے زیر اثر اختیار کیا جائے۔ ہم جس چیز کو اسلامی تہذیب کہتے ہیں وہ لکھنؤ اور دلی کی فصیح و بلیغ اردو اور دیوبند و فرنگی محل کے علما کا لباس نہیں ہے' بلکہ وہ اس ذہنیت' اس طرز خیال اور ان اصول حیات پر مشتمل ہے جو قرآن اور سیرت رسولؐ سے ماخوذ ہیں۔ جب تک کوئی تمدن اس تہذیب کے حدود کے اندر ہے' وہ اسلامی تمدن ہے' خواہ اس کی زبان' اس کے لٹریچر' اس کے آداب و اطوار' اس کے کھانوں اور مٹھائیوں' اس کے لباس و طرز معاشرت اور اس کے فنون لطیفہ میں کتنے ہی تغیرات واقع ہو جائیں۔ مظاہر کا تغیر بجائے خود کسی تمدن کو اسلامی تہذیب کے دائرے سے خارج نہیں کر دیتا' البتہ جب وہ اس نوعیت کا تغیر ہو کہ اسلامی تہذیب کے اصول و قواعد میں اس کے لیے کوئی سند جواز نہ ہو' تو یقیناً وہ تمدن کو غیر اسلامی تمدن بنانے کا موجب ہو گا۔

مثال کے طور پر مسلمان مشرق سے لے کر مغرب تک بیسیوں طرح کے لباس پہنتے ہیں' مگر ان سب میں ستر عورہ کے انھی حدود کا لحاظ رکھا جاتا ہے جو اسلامی تہذیب نے مقرر کر دیے ہیں۔ لہٰذا یہ سب لباس اپنے تنوعات کے باوجود اسلامی تمدن ہی کے لباس کہے جائیں گے۔ مگر جب کوئی لباس ان حدود سے قاصر ہو گا تو ہم اسے غیر اسلامی لباس کہیں گے۔ اسی طرح غذا کے متعلق حلال و حرام کے جو حدود اسلامی تہذیب نے مقرر کیے ہیں ان کے تحت خواہ کتنی ہی انواع و اقسام کے کھانے مسلمانوں کے گھروں میں پکتے ہوں اور تاریخ کے دوران میں ان کی نوعیتیں کتنی ہی بدل جائیں' اور کھانے کے طریقوں میں کتنا ہی تغیر رونما ہو جائے' ان سب کو اسلامی تمدن ہی کے دائرے میں جگہ ملے گی' البتہ جب مسلمانوں کی غذا حدود حلت سے متجاوز ہو گی تو ہم کہیں گے کہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اسی پر زندگی کے تمام معاملات کو قیاس کر لیجیے۔ عرب' ہندستان' ایران' ترکستان اور شمالی افریقہ کے تمدنوں میں بہ ظاہر خواہ کتنا ہی فرق ہو' بہرحال جب تک ان کے اندر اسلامی ذہنیت کی روح موجود ہو گی' اور جب تک یہ شریعت اسلامی کے ضابطے میں رہیں گے' ان پر یکساں "اسلامی تمدن" کا اطلاق ہو گا۔ مگر جب یہ کسی دوسری تہذیب کا اثر قبول کر لیں گے اور ایسی چیزیں اپنے اندر داخل کر لیں گے جو اسلامی تہذیب کی روح یا شریعت اسلام کے خلاف ہوں تو بلاشبہ یہ کہا جائے گا کہ ان ممالک میں اسلامی تمدن مسخ ہو رہا ہے۔ (مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' ترجمان القرآن' جلد ۱۳' عدد ۲' ۳' ۴' شعبان' رمضان' شوال' ۱۳۵۷ھ' اکتوبر' نومبر' دسمبر ۱۹۳۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ایٹمی صلاحیت اور قرضوں کا شکنجہ

خورشید احمد

آج پاکستانی قوم اور اس کی قیادت تاریخ کے ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے--- جو فیصلہ آج کیا جائے گا' اس کے بڑے دور رس اثرات پاکستان اور امت مسلمہ کے مستقبل پر مرتب ہوں گے۔ اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ اکیسویں صدی میں ان کے رول کا انحصار بڑی حد تک اس فیصلے پر ہو گا۔ وزیراعظم کا دورہ امریکہ اور ۲ دسمبر ۱۹۹۸ کو صدر کلنٹن سے ملاقات' فیصلے کے اس عمل کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ تاریخ کا ایک ایسا ہی لمحہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک لمحے کی غلطی صدیوں کی راہ کھوٹی کر دیتی ہے۔

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اصل مسئلہ چار یا پانچ بلین ڈالر کے نئے قرضے یا پرانے قرضوں کی الٹ پلٹ کا نہیں' معاشی اور عسکری پابندیوں کی جزوی تخفیف یا کلی تنسیخ کا بھی نہیں' ایف ۱۶ لڑاکا طیاروں کا حصول یا ایک عشرے سے گروی رکھی ہوئی رقم کی بازیافت کا بھی نہیں۔ یہ سب تو زیادہ سے زیادہ اصل مسئلے کے جزوی اور ضمنی پہلو کہے جا سکتے ہیں۔ اصل سوال پاکستان کی آزادی اور سلامتی' اس کے نظریاتی تشخص اور اس کے تحفظ اور ترقی کے لیے ضروری قوت کے حصول' اس کے استحکام اور اپنی نظریاتی' دینی' سیاسی اور تہذیبی ترجیحات کی روشنی میں اپنے مستقبل کی تعمیر اور ملت اسلامیہ کے مستقبل کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرنے کی صلاحیت اور لیاقت کا ہے۔ معاملہ بھارت کا ہو یا امریکہ کا--- اصل مسئلہ یہی ہے۔ بھارت نے تو آج تک پاکستان کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ پچاس سال کی تاریخ اس پر گواہ ہے' اور جس امریکہ کے ساتھ دوستی کے لیے ہم نے سب کچھ قربان کر دیا' اس نے ۱۹۶۲ میں بھارت چین جنگ سے لے کر مئی ۱۹۹۸ کے تجربات کے نام پر معاشی اور عسکری پابندیوں تک جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے تین باتیں بالکل صاف طور پر سامنے آتی ہیں:

اول: امریکہ نہایت ناقابل اعتماد دوست ہے۔ وہ کبھی وقت پر کام نہیں آیا اور اس کے کسی وعدے اور

تحفظ یا مدد کے کسی معاہدے پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

دوم: امریکہ کا اصل جھکاؤ بھارت کی طرف رہا ہے۔ آزمایش کے ہر موقع پر اس نے بھارت کے مفاد کو پاکستان کے مفاد پر ترجیح دی ہے۔ وہ اپنے عالمی سیاسی نقشے میں اس علاقے کے لیے بھارت کی بالادستی کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور ہمیں بھارت کے خورد (اصطلاحی چھوٹے بھائی) کے طور پر تو زندہ دیکھنا چاہتا ہے مگر ہماری کسی ایسی حیثیت کو برداشت کرنے کو تیار نہیں جس میں ہم خود اپنے معاملات کو سنبھالنے اور اپنا منفرد کردار ادا کرنے کے لائق ہوں۔

سوم: امریکہ اور مغربی اقوام کو جو اعصابی خطرہ اسلام اور عالم اسلام سے ہے اس کی وجہ سے وہ پاکستان کو اتنا کمزور رکھنا چاہتا ہے کہ یہ ملک کبھی بھی اسلامی اتحاد کے لیے محور اور مرکز نہ بن سکے۔ اس مقصد کے لیے عالم عرب کے قلب میں اسرائیل کے خنجر کو پیوست کیا گیا ہے اور اسے اتنا مضبوط کیا گیا ہے کہ وہ پورے عالم عرب پر عسکری اور معاشی اعتبار سے غالب رہے اور مقابلے کی کوئی قوت پیدا نہ ہونے پائے۔ ترکی میں اسلامی قوتوں کو اس طرح قابو میں کیا جائے کہ ترکی اور اسرائیل ایک سیکولر ایجنڈے پر مل کر عمل کر سکیں۔ جس ملک میں بھی تھوڑی سی آزادی کی خواہش ہو، خواہ وہ ایران ہو، لیبیا ہو، عراق ہو یا کوئی اور، اسے اس طرح دبا دیا جائے کہ وہ اس رنگ میں بھنگ نہ ڈال سکے۔ وسطی ایشیا کی آزادی کے بعد وہاں بھی ایسے حالات پیدا کیے جارہے ہیں کہ پاکستان، ایران اور ترکی سے لے کر وسط ایشیا تک مسلمانوں کا ایک بلاک وجود میں نہ آسکے اور اس پورے علاقے کو روس اور یورپ ہی سے منسلک رکھا جائے۔ اس تناظر میں پاکستان کا ایک ایٹمی صلاحیت کا حامل ملک بننا سب سے زیادہ ناگوار اور مستقبل کے اس پورے نقشے کو تہ و بالا کرنے والا عامل سمجھا جارہا ہے۔

ان تاریخی نتائج کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور مغربی اقوام کی نگاہ میں اصل خطرہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اور معاشی ترقی سے ہے۔ بھارت کی ایٹمی حیثیت اس نقشے کے مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۴ میں جب چین نے ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی تو بھارت کو ایٹمی طاقت بنانے کے منصوبے پر کام شروع ہو گیا اور اس میں امریکہ، اسرائیل، کینیڈا، فرانس اور روس نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۴ کے بھارتی دھماکے پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا گیا۔ ۱۹۹۸ کے دھماکوں کے لیے بھی فضا کو سازگار بنایا گیا اور ۲۸ مئی کو پاکستانی دھماکے تک بھارت کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔ سارا غصہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت پر ہے اور اس کو قابو میں کرنا اصل ہدف ہے۔ معاشی دباؤ کا ہتھیار بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ دیکھا جائے تو معاشی پابندیوں کا آغاز جون ۱۹۹۸ میں نہیں ہوا۔ یہ سلسلہ تو ۱۹۷۶ سے مختلف شکلوں میں جاری ہے اور اس وقت جو تخفیف کی جارہی ہے اس کا مقصد بھی پاکستان کو معاشی بحران

سے نکلتا نہیں بلکہ ایک طرف اپنی زرعی اور صنعتی لابی کی ضروریات پوری کرنا ہے اور دوسری طرف پاکستان کو مسلسل ایک ایسی حالت میں رکھنا ہے کہ وہ امریکہ اور مغربی اقوام کا محتاج رہے' اس کی معیشت برابر ایک طرح کے آکسیجن ٹینٹ میں رہے اور یہ اقدام اسے اتنی آکسیجن دیتے رہیں کہ یہ مرد بیمار بس زندہ رہے اور مزید آکسیجن کی طلب کرتا رہے۔

اصل مسئلہ محض جوہری تجربات پر پابندی کے جامع معاہدے (CTBT) پر دستخط نہیں اور ورلڈ بنک' آئی ایم ایف اور عالمی ساہو کاروں کے چنگل سے وقتی گلو خلاصی (bail out) کا اہتمام نہیں بلکہ ملک کے اس وژن (vision) کی روشنی میں جو پاکستان کے قیام کا محرک تھا اس کے حقیقی مقام کا تعین' اور اس وژن کے مطابق اس کی سلامتی اور استحکام کا بندوبست ہے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جوہری تجربات پر پابندی کا معاہدہ کوئی مستقل بالذات اور خودکار معاملہ نہیں۔ یہ ایک جامع اور مربوط عالمی ایٹمی نظریے (ڈاکٹرائن) کا کلیدی حصہ ہے۔ اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ محض اس معاہدے پر دستخط کر کے معاملہ طے ہو جائے گا تو اس سے بڑی حماقت اور عاقبت نااندیشی کا تصور محال ہے۔ اصل مقصد پوری دنیا پر پانچ ایٹمی ہتھیار بردار ممالک اور خصوصیت سے امریکہ کی بالادستی کا قیام اور اس برتری کی حفاظت ہے اور خصوصیت سے پورے عالم اسلام کو مستقلاً اس صلاحیت سے محروم رکھنا ہے۔ امریکہ کی جوہری چھتری شمالی اور جنوبی امریکہ کے ساتھ یورپ اور جاپان تک کو اپنی امان میں لیے ہوئے ہے۔ روسی چھتری' روس کی ساری کمزوریوں کے باوجود نصف یورپ اور ایشیا پر تنی ہوئی ہے۔ چین اپنی حفاظت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یورپ میں انگلستان اور فرانس اپنی اپنی چھتری رکھتے ہیں اور بھارت نے وہ قوت فراہم کر لی ہے جو اسے اس علاقے میں بالادستی دے سکے۔ وہ جس نیوکلیر ڈاکٹرائن پر کھلے بندوں کام کر رہا ہے' وہ یہ ہے کہ ۲۰۳۰ تک وہ چین کا مقابلہ کر سکے اور ایشیا پر اپنا سلامتی کا نظام مسلط کر سکے۔ اگر سلامتی کے نظام سے کوئی علاقہ محروم ہے تو وہ عالم اسلام ہے جو مراکش سے ملائشیا تک اس صلاحیت سے محروم اور اپنے دفاع کے لیے دوسروں کا دست نگر ہے۔ سب سے زیادہ زبوں حالت عالم عرب کی ہے جو بے پناہ مالی وسائل کے باوجود نہ روایتی جنگی ہتھیاروں کے باب میں اور نہ جوہری صلاحیت کے اعتبار سے کسی مقام پر ہے۔ ان کی آزادی اور سلامتی ایک دھاگے پر منحصر ہے جسے اسرائیل اور امریکہ جس لمحہ چاہیں کاٹ سکتے ہیں۔ ان حالات میں مستقبل کی اگر کوئی امید ہے تو وہ پاکستان سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی' معاشی اور اخلاقی سارا دباؤ پاکستان ہی پر ہے اور اسے چارہ اور چابک (carrot and stick) کے دونوں ہتھیاروں سے رام کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

پاکستان کے ایٹمی تجربے کے بعد پی -۵ یعنی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان، جی-۸ یعنی آٹھ مغربی ترقی یافتہ ممالک اور خود سلامتی کونسل کی قراردادوں میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ تجربہ نہ کرنے کے معاہدے کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل اقدام ضروری ہیں:

۱۔ نیوکلیر عدم پھیلاؤ کے معاہدے (NPT) میں شمولیت۔

۲۔ جوہری مادے کی افزونی پر پابندی اور اس کے معاہدے میں شمولیت اور نگرانی کے نظام کی پابندی۔

۳۔ میزائل ٹکنالوجی پر قدغن کے معاہدے کو تسلیم کرنا اور نشانے تک پہنچنے (delivery) کے نظام کی تحدید اور نگرانی کا اقرار۔

۴۔ جوہری مادے کے ہتھیار بنانے، (weaponization) ان کی تصغیر (miniaturisation) اور تنصیب (deployment) سے احتراز۔

۵۔ جو صلاحیت موجود ہے اسے بھی ایک بااختیار منضبط نظام (Command and Control System) میں لانا۔

امریکہ اور مغربی اقوام کی نگاہ میں یہ تمام ایک غیر منقسم ایٹمی ڈاکٹرائن کا حصہ ہیں۔ اس وقت تک ہم مکمل طور پر اس نظام سے باہر ہیں اور قانونی اور اخلاقی طور پر ہم نے آج تک جو کچھ کیا ہے، عالمی واویلے کے باوجود وہ ہمارا قانونی اور اخلاقی حق ہے۔ ہم نے کسی عالمی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ لیکن ایک بار ہم اس نظام کا حصہ بن جاتے ہیں تو پھر ہم اس کے پابند اور اسیر ہوں گے اور اس جال سے نہ نکل سکیں گے۔ جو حشر آج عراق کا ہو رہا ہے اور جس کی دھمکیاں شمالی کوریا کو بھی دی گئی ہیں، وہی حشر ہر اس ملک کا ہو سکتا ہے جو اس دام میں گرفتار ہو کر اپنی آزادی کی کوئی کوشش کرے۔

سی ٹی بی ٹی اس عالمی جال کا پہلا مرحلہ ہے۔ اگر ہمیں اس جال سے بچنا ہے تو اس پہلے قدم سے بچنا ہو گا۔ اگر اس میں ہم ایک بار پھنس گئے تو پھر ہمیں مجبوراً اور گھٹ گھٹ کر پورے جال میں اترنا ہو گا۔ یہ کوئی خیالی واہمہ نہیں۔ ۴ جون ۱۹۹۸ کو جنیوا میں پی - ۵ کے وزرائے خارجہ نے جو اعلامیہ جاری کیا ہے اس کی شق ۳ اور ۴ میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے:

پانچوں طاقتوں نے عہد کیا ہے کہ وہ پاکستان اور بھارت کو سی ٹی بی ٹی کی غیر مشروط تصدیق، جوہری مواد کی تیاری منقطع کرنے کے سمجھوتے (FMCT)، میزائلوں کی تنصیب بند کرانے اور جوہری آلات اور ایٹمی ٹیکنالوجی کی برآمد رکوانے پر مجبور کریں گے خواہ اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے (شق ۳) نیز پانچوں نے وعدہ کیا کہ "ہم پاکستان اور بھارت سے ایٹمی پھیلاؤ کے سمجھوتے (NPT) پر

فوری دستخط لیں گے۔ نیز دونوں ممالک کے لیے این پی ٹی کے مسودے میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جائے گی (شق ۴) (۲۳/۱۷۲/ ۱۹۹۸ء)۔

اس یادداشت کی روشنی میں سلامتی کونسل نے ۶ جون ۱۹۹۸ قرارداد ۱۱۷۲ منظور کی جس میں ۱۷ شقیں ہیں اور ان میں ۱۰ سے ۱۳ شقوں میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان اور بھارت جوہری ہتھیاروں کی ترقی فوراً روک دیں۔ جوہری ہتھیاروں کو ہدف تک لے جانے والے میزائلوں کی تنصیب' جوہری مواد کی تیاری' جوہری آلات کی برآمد نہ کرنے اور ٹکنالوجی کو وسعت نہ دینے کی یقین دہانی کرانے اور این پی ٹی اور سی ٹی بی ٹی پر بلا تاخیر اور غیر مشروط دستخط کے لیے بھرپور دباؤ ڈالا جائے۔

پھر ۱۲ جون کو لندن میں جی-۸ نے انھی مطالبوں کا اعادہ کیا۔ جب وزیراعظم پاکستان نے ۲۳ ستمبر کو اقوام متحدہ میں تاریخ کے تعین کے بغیر سی ٹی بی ٹی کے احترام اور اسے عملاً قبول کرنے کی ضمانت دی' تو اگلے ہی دن امریکی وزیر خارجہ البرائٹ نے صاف الفاظ میں کہا کہ مسئلہ صرف سی ٹی بی ٹی نہیں بلکہ پورے ایٹمی نظام کو قبول کرنا اور اس کی پابندی کرنا ہے۔ امریکہ کے سلامتی کے مشیر سنڈی برگر (Sundy Berger) نے بھی اس کا اعادہ کیا۔ اور امریکی نائب وزیر خارجہ اسٹوب ٹالبوٹ (Stobe Talbot) نے ۱۳ نومبر کو ورلڈ نیٹ ورک پروگرام میں جنوبی ایشیا میں امن و سلامتی (Peace & Security in South Asia) کے موضوع پر اپنے نقطہ نظر کو پیش کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ایک بار پھر بہت ہی صاف لفظوں میں ایٹمی تجربات مکمل طور پر لپیٹ دینے (roll back) کو اصل ہدف قرار دیا ہے بلکہ سی ٹی بی ٹی کے حوالے سے پہلی بار صاف لفظوں میں کہا ہے کہ اس کے تحت صرف تجربات کے مقامات (test sites) ہی کا نہیں تمام ایٹمی مقامات (nuclear sites) کا معائنہ کیا جا سکتا ہے حالانکہ اصل معاہدے میں ذکر test اور explosion کا ہے لیکن چونکہ test اور explosion کی صاف لفظوں میں تعریف نہیں کی گئی اس لیے ٹالبوٹ کے اس اعتراف سے بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے جبکہ ہمارے سیاست دان اور سائنس دان معاہدے کے ظاہری الفاظ کے سہارے یہی دعوے کر رہے ہیں کہ ایٹمی مقامات کا معائنہ نہیں ہو سکتا (ملاحظہ ہو دی مسلم کا اداریہ U.S and South Asian Nuclear Dynamics ۱۶ نومبر ۹۸)۔

یہ بات ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں ثابت ہے کہ سی ٹی بی ٹی ایک مکمل اور غیر منقسم ایٹمی نظام کا عنوان اور اس کا صرف ایک حصہ ہے۔ فیصلے کا وقت آج ہے کہ ہم اس نظام میں اپنی گردن پھنسانے اور اس کے نتیجے میں اپنے ہاتھ پاؤں کٹوانے کے لیے تیار ہیں یا ہر قیمت پر اپنی آزادی نے اپنی ملکی سلامتی اور اپنی عزت کے لیے اپنی جوہری صلاحیت پر قائم اور اس کی حسب ضرورت ترقی اور استحکام پر قدرت رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر اس ملک کو اپنی آزادی اور سلامتی عزیز ہے تو آج یہ طے کرنا ہو گا کہ کسی قیمت اور کسی لالچ پر ہم

اس استعماری نظام کی غلامی قبول نہیں کریں گے اور صرف اللہ کے بھروسے پر' اپنی قوم پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا راستہ اختیار کریں گے۔ اگر کسی موہوم وعدے اور کسی وقتی مصلحت کی بنا پر آج ہم اس شکنجے میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو پھر اس نئی غلامی سے نجات مشکل ہو گی۔

سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہ کرنے کے سلسلے میں ہماری سب سے مضبوط اور ناقابل تسخیر دلیل تو یہی ہے کہ وہ ایک مربوط نظام کا حصہ ہے اور "گربہ کشتن روز اول" کے اصول پر اگر اس پہلے ہی قدم پر ہم نے اپنے راستے کو جدا نہ کیا تو پھر ہم طوعاً و کرھاً اس نظام کے اسیر ہونے سے بچ نہ سکیں گے اور آخر کار صورت حال ہماری جوہری صلاحیت کے انجماد' تخفیف اور محرومی پر منتج ہو گی۔ اگر اس انجام سے بچنا ہے تو آج ہمت' جرات اور خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں اور اس کی قیمت دینے کے لیے خود بھی تیار ہوں اور قوم کو بھی تیار کریں۔ یہ سراسر خود فریبی اور دھوکے کا راستہ ہے کہ ہم دستخط بھی کر دیں گے اور اپنی جوہری صلاحیت کو محفوظ بھی رکھ لیں گے۔ پاکستان کی سلامتی کے متعدد پہلو ہیں اور ان میں سے ہر ایک یعنی عسکری سلامتی' معاشی سلامتی' نظریاتی سلامتی اور تہذیبی سلامتی سب بے حد اہم اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ لیکن بلاشبہ اس کا پہلا دروازہ عسکری سلامتی ہے اور اس میں کسی دراڑ کو راہ پانے دینا قومی خودکشی اور خود اپنے ہاتھوں اپنے وجود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہو گا۔ اس قومی سلامتی کی اہمیت بھارت کے خطرے کے ادراک (threat perception) کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے مستقبل کی تعمیر میں پاکستان کے کردار سے ہے۔ یہ دونوں پہلو ہمیشہ ہمارے سامنے رہنے چاہییں۔ اس پس منظر میں ہماری جوہری صلاحیت اور مستقبل میں اس کی ترقی و استحکام غیر معمولی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اس کام کو انجام دینے کے لیے جوہری تجربے کے دروازوں کو بند کر دینا ایک ایسی مجرمانہ غداری ہو گی جس کی تلافی کبھی ممکن نہ ہو گی۔

ایک لابی کی طرف سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ آیندہ تجربات کے بغیر بھی ہم اپنی سد جارحیت صلاحیت کو باقی رکھ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند محترم سائنس دانوں کا نام بھی آگیا ہے اس لیے کسی کی رائے کی تحقیر کے بغیر ہم اس ملک کی سائنسی اور سیاسی قیادت سے عرض کریں گے کہ اس مسئلے پر کھلے دل سے غور کریں اور کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

ہم جوہری صلاحیت کے ابتدائی مرحلے میں ہیں۔ الحمدللہ ہم نے بنیادی صلاحیت حاصل بھی کر لی ہے اور اس کا کامیاب مظاہرہ بھی کر دیا ہے جس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان تمام افراد اور اداروں کی خدمات کے معترف ہیں جنھوں نے اس کارنامے کو انجام دینے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن ہمیں اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ جہاں اسلحے کی دوڑ ایک خسارے کا سودا ہے

اور محض تفاخر کی خاطر اس خطرناک کھیل میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے' وہیں مقابلے کی قوت اور کم سے کم ضروری سدجارحیت (minimum credible deterrent) قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔ قوت اور سدجارحیت کوئی جامد (static) تصور نہیں بلکہ حرکی (dynamic) تصور ہے جس کے لیے مدمقابل کی صلاحیت --- حملہ کرنے کی اور حملہ سہنے کی --- کو سامنے رکھ کر ضروری حدود کا تعین کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اسرائیل کے خطرے کو نظرانداز بھی کر دیں (جو ہماری نگاہ میں غیر دانش مندی ہو گی) تب بھی بھارت کے خطرے کو تو کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بھارت کی قیادت نے واضح کر دیا ہے کہ:

۱- بھارت ایٹمی اسلحے سے لیس ایک ملک ہے اور وہ ہر قیمت پر اس قوت کو باقی رکھے گا اور ترقی دے گا' تاکہ وہ بھارت ہی نہیں خلیج سے جنوبی ایشیا تک اپنی بالادستی قائم رکھ سکے۔

۲- فی الحال اسے مزید تجربات کی ضرورت نہیں لیکن اگر اس کی ضرورت ہوئی تو وہ اپنے اختیار کو محدود کرنے کو تیار نہیں۔

۳- کم سے کم سدجارحیت کے معنی صرف صلاحیت نہیں بلکہ اسلحہ اور اس کے استعمال کا موثر انتظام ہے۔

بھارت کے پاس اس وقت ۸۰ سے ۱۰۰ ایٹم بم تیار شکل میں ہیں' ۲۰۰ بموں کی تیاری کا سامان اور ترسیل کا نظام موجود ہے۔ اس نے یورینیم اور پلوٹونیم دونوں پر مبنی ہتھیار تیار کر لیے ہیں۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے صرف ایٹمی دھماکہ ہی نہیں کیا بلکہ حرمرکزائی (thermo nuclear) تجربہ بھی کر لیا ہے جو ہائی ڈروجن بم کی استعداد دیتا ہے اور ایٹم بم سے کئی سو گنا تباہ کاری کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے پاس پلوٹونیم (Pu^{239}) کا بھی وافر ذخیرہ ہے اور ٹرٹیم بھی جو تھرمو نیوکلیر ڈیوائس میں instant booster کا کام انجام دیتا ہے۔ بھارت کے پاس زمینی میدان میں دفاعی وسعت اور مضبوطی (strategic depth) موجود ہے لیکن اس کے باوجود اس نے روس سے ایٹمی آب دوز حاصل کی ہیں اور خود بنانے میں مصروف ہے۔ اس طرح اس کے پاس بار بار حملے (second strike) کی صلاحیت موجود ہے۔

ایسے مدمقابل کو قابو میں رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس صرف مساوی نہیں مقابلے کی صلاحیت موجود ہو۔ اس پہلو سے جو ذخیرہ ہمارے پاس ہے وہ ناکافی ہے۔ نیز ہم نے جو تجربات کیے ہیں وہ اپنی ساری کامیابی اور اثر انگیزی کے باوجود کافی نہیں۔ مقابلے کی قوت کو برقرار رکھنے اور نئی ٹکنالوجی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جوہری تجربوں کا دروازہ کھلا رکھنا ضروری ہے۔ ہم ملک اور ملک کے باہر چوٹی کے نیوکلیر سائنس دانوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ گو یورینیم (U^{235}) کی افزودگی کے عمل کے لیے ہمیں کسی تجربے کی ضرورت نہیں لیکن پلوٹونیم (Pu^{239}) کے تجربے کے لیے یہ عمل

ضروری ہوگا اور محض کمپیوٹر یا مصنوعی تجربے (cold testing) سے قابل اعتماد نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ تھرمو نیوکلیر ڈیوائس کے لیے اس کی ضرورت ہوگی۔ نیز ہتھیار سازی (weaponization) اور خصوصیت سے تصغیر (miniaturization) کے لیے اور اس عمل کو بھی ایسی صورتیں دینے میں جن میں تابکاری (radiation) کم سے کم ہو، انسانی نقصان کو محدود ترین رکھا جائے اور ہدف کو زیادہ تیقن اور صحت (precision) کے ساتھ نشانہ بنانے کے لیے بھی حقیقی تجربہ (hot test) ضروری ہے۔ کہوٹہ کو شاید عملی تجربات کی جلد ضرورت نہ ہو لیکن خوشاب کے آگے کے مراحل کے لیے تو یہ ازبس ضروری ہیں۔ اس طرح tactical low yield ڈیوائس کی تیاری میں تجربات کی بڑی اہمیت ہے۔ ٹریشیم کی جوہری صلاحیت کا حصول بھی ضروری ہے جہاں ہم ابھی دشمن سے بہت پیچھے ہیں۔ ان حالات کی روشنی میں جو حضرات یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ آج کی صلاحیت کی بنیاد پر دشمن کی صلاحیتوں کی تحدید کو یقینی بنائے بغیر مستقبل کے تمام خطرات کا بھی مقابلہ کیا جا سکتا ہے، وہ ایک ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں۔ خدا پر بھروسہ اپنی جگہ، لیکن جس محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا پر توکل کا حکم دیا ہے اسی نے اپنے اونٹ کو باندھ کر رکھنے کی ہدایت بھی دی ہے۔ "اونٹ باندھنے" کا تقاضا ہے کہ ہم بھارت کو پابند کیے بغیر اور متنازع مسائل خصوصیت سے کشمیر کے مسئلے کے حل پر عملی پروگرام طے کیے بغیر اپنے ہاتھ نہ باندھ لیں۔

اس سلسلے میں ایک بات کمپیوٹر تجربات کی بھی کہی جا رہی ہے جو بنیادی طور پر صحیح ہے لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ اور مغربی اقوام نے ہمیں اعلیٰ استعداد کے کمپیوٹر اور کثیر المقاصد ٹکنالوجی سے محروم کیا ہوا ہے۔ بھارت کے پاس سوپر کمپیوٹر ہیں اور وہ اس سلسلے کی دوسری ترقی یافتہ ٹکنالوجی حاصل کر چکا ہے اور مزید کر رہا ہے جبکہ ہم اس میدان میں خاصے پیچھے ہیں۔ روس اور خصوصیت سے امریکہ کے پاس جو صلاحیت ہے اس کی بنا پر یہ دونوں اپنے ایک ایک ہزار عملی تجربات سے حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں نیا تجربہ کیے بغیر بھی نیوکلیر استعداد کو جدید ترین معیار کے مطابق کر سکتے ہیں اور سی ٹی بی ٹی میں اس کی گنجائش رکھی گئی ہے لیکن جب تک ہمیں یہ ٹکنالوجی حاصل نہ ہو، ہم تجربات کے بغیر کیسے مقابلے کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں۔

مغربی اقوام نے جدید ٹکنالوجی پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ ضروری ہے کہ ہمیں نئی اور جدید ٹکنالوجی دیں اور ٹکنالوجی منتقل کرنے کی تمام طفل تسلیوں کے باوجود جو راہیں ہم پر بند کر رکھی ہیں، بشمول ہمارے سائنس دانوں اور اعلیٰ درجے کے طالب علموں کے لیے مغربی درس گاہوں اور لیبارٹریوں کے دروازوں کو بند کرنے کے، وہ کھولیں۔ اس کے بغیر نیوکلیر امتیاز (apartheid) کا جو ظالمانہ اور استبدادی نظام قائم کیا گیا ہے وہ انسانیت کو مستقل طور پر دو طبقوں میں بانٹے رکھے گا ___ ایٹمی قوت سے آراستہ، بالادست

اور غالب اقوام اور ایٹمی صلاحیت سے محروم ان کے باج گزار ممالک۔ کیا پاکستان اور امت مسلمہ اس ذلت کے مقام کو قبول کرنے کو تیار ہے؟ اور کیا یہ ہمارے ایمان' خیر امت اور شہداء علی الناس کے مقام سے کوئی بھی مناسبت رکھتا ہے؟

جو دانش ور یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کا کوئی اثر ہماری نیوکلیر استعداد پر نہیں پڑے گا ان کی خدمت میں یہ ادب گزارش ہے کہ پاکستان کا مقابلہ تو بھارت سے ہے' جو روایتی اور نیوکلیر دونوں میدانوں میں ہم سے کئی گنا زیادہ صلاحیت رکھتا ہے' البتہ ہم نے کسی نہ کسی طرح ایک سد جارحیت صلاحیت بنا رکھی ہے۔ خصوصیت سے نیوکلیر تجربات کے بعد ہماری پوزیشن کچھ بہتر ہوئی ہے اور اسی مناسبت سے جنگ کا خطرہ کم ہوا ہے۔ اس صلاحیت کو مستقبل میں باقی رکھنا اور ضرورت کی حد تک بڑھانا ضروری ہے۔ یہ دانش ور اس کم سے کم اور بنیادی ضرورت تک کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔ اس کے برعکس امریکہ کے چوٹی کے سائنس دانوں میں سے ایک نمایاں گروہ ایسا ہے جو امریکہ کو سی ٹی بی ٹی کی توثیق سے منع کر رہا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اپنی تمام تر موجودہ برتری کے باوجود مستقبل میں سلامتی اور عالمی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے امریکہ کو حقیقی تجربات (hot tests) پر پابندی قبول نہیں کرنا چاہیے۔

دفاعی سلامتی کے ساتھ ساتھ معاشی سلامتی بھی ضروری ہے اور دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم معاشی حالات کے بے لاگ تجزیہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہماری موجودہ معاشی مشکلات کی وجہ وہ پابندیاں (sanctions) نہیں ہیں جو ایٹمی تجربات کے بعد لگائی گئی ہیں بلکہ وہ غلط معاشی پالیسیاں ہیں جن کے نتیجے میں معاشی ترقی کی رفتار گر گئی ہے۔ بچت کی سطح ایک مدت سے غیر تسلی بخش ہی نہیں برابر روبہ زوال ہے۔ سرمایہ کاری کی رفتار بھی گر رہی ہے اور علاقے کے دوسرے ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں بھی پست ہے' قرضوں کا بوجھ بڑھ رہا ہے اور قرضوں اور سرمایہ کی حقیقی پیدا آوری برابر گر رہی ہے۔ افراط زر کا عفریت دندناتا پھر رہا ہے۔ بے روزگاری بڑھ رہی ہے' کالی معیشت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے' بنکوں کے قرضوں کی ادائیگی اتنی غیر تسلی بخش ہے کہ اب ڈیفالٹ کا تناسب کل بنک کے قرضوں میں ۴۰ فی صد تک جا پہنچا ہے۔ یہ کیفیت ایک واضح مستقل رویے کی صورت میں کم از کم گذشتہ ۱۵ سال سے موجود ہے۔

ان حالات میں محض پابندیوں کو دوش دینا اور مزید قرض حاصل کرنے کے مہلک راستے پر بگٹٹ دوڑنا معاشی اعتبار سے تباہ کن اور قومی سلامتی کے لیے شدید خطرات کا حامل ہے۔ ہم معاشی بحران اور اس کے حل پر آیندہ گفتگو کریں گے' البتہ اس وقت جس بات کو پوری قوت سے کہنا چاہتے ہیں وہ قومی سلامتی کے لیے پالیسی سازی میں دفاعی اور معاشی سلامتی کو مزید قرضوں کے حصول اور ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف

سے مزید بھیک کی طلب اور خود معاشی اور عسکری پابندیوں سے غیر مربوط (delink) کرتا ہے۔ پابندیوں کا خطرہ مول لے کر ہم نے اپنے ایٹمی پروگرام کا آغاز کیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ہنری کسنجر کی کھلی کھلی دھمکی کے باوجود اس کام کا آغاز کیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق نے کارٹر کی عائد کردہ پابندیوں کو نظرانداز کر کے اس پروگرام کو جاری رکھا۔ غلام اسحاق خان نے سارے دباؤ کے باوجود اس پروگرام پر آنچ نہ آنے دی۔ فوج، سائنس دان اور محب وطن سیاسی قوتوں نے اس پروگرام کی پشت پناہی کی اور اللہ کے فضل سے پاکستان کو پہلے مسلمان ملک کی حیثیت سے ایک ایٹمی طاقت بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ پابندیوں کے ہٹائے جانے کی قیمت پر اس پروگرام کو روک دینا یا رول بیک کرنا، ایک تاریخی جرم ہو گا جسے یہ قوم کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

اصل مقصد سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہیں، ایٹمی پروگرام کو بتدریج ختم کرا کے پاکستان کے ایٹمی کردار کو مجروح کرنا ہے۔ معاشی مشکلات بجا لیکن معاشی مشکلات کے دباؤ میں ایٹمی محاذ پر گھٹنے ٹیک دینا قومی خودکشی کے مترادف ہو گا۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر بنیادی معاشی حکمت عملی کو تبدیل نہ کیا جائے تو پابندیاں اٹھنے اور مزید قرضے حاصل ہونے سے معاشی حالات میں کوئی حقیقی فرق واقع نہیں ہو گا بلکہ ہم قرضوں کی اس دلدل میں اور بھی دھنستے چلے جائیں گے۔ اس وقت ہم چار سے پانچ ارب ڈالر کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ اگلے سال یہ ضرورت ۶ اور ۷ ارب ہو جائے گی اور تیسرے سال ۱۰ ارب پر پہنچے گی۔ بیرونی قرض کا جو بوجھ آج مل ملا کر ۴۵ سے ۵۰ بلین ہے وہ ۶۰ اور ۷۰ بلین کی خبر لائے گا اور آزادی، سلامتی اور عزت اس خاک میں ملیں گے۔ راستہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جس کا حکیم الامت نے صاف لفظوں میں اظہار کر دیا تھا۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو، پرواز میں کوتاہی

اس لیے ہم حکومت کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ صدر کلنٹن سے ملاقات اور ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کی خوش اندازیوں کے طلسم میں نہ آئیں۔ دام ہم رنگ زمین کو کھلی آنکھوں سے دیکھیں اور وہ راستہ اختیار کریں جو آزادی، عزت اور قومی سلامتی کا ضامن ہو۔ قوم کو اپنی قیادت سے شکایت ہے کہ جب وہ ملک میں باتیں کرتے ہیں تو جرات اور بہادری اور خطرات سے کھیلنے کی باتیں کرتے ہیں اور جب امریکہ کی قیادت سے ملتے ہیں تو ریشہ خطمی ہو جاتے ہیں اور دہائی دیتے ہیں کہ حضور ہم تو وہی کرنا چاہتے ہیں جو آپ فرما رہے ہیں، البتہ بنیاد پرستوں کا ڈر ہے!

اب اس دوغلے پن کو ختم ہونا چاہیے۔ قوم کے عزائم اور توقعات کو ہی ہماری پالیسی ہونا چاہیے۔ مینڈیٹ کے نام پر من مانی کا کوئی جواز نہیں۔ مینڈیٹ اگر کوئی حاصل ہے تو وہ ان وعدوں کے فریم ورک میں ہے جو انتخابات کے موقع پر عوام سے کیے گئے تھے اور وہ نیوکلیر اور دفاعی قوت کو بڑھانے اور کوئی دباؤ قبول نہ کرنے کے تھے، گھٹنے ٹیک دینے کے نہیں۔ انتخابی تقاریر میں ہی نہیں، خود مسلم لیگ کے منشور میں

صاف الفاظ میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایٹمی صلاحیت میں کمی اور یک طرفہ اور امتیازی پابندی کے یکسر خلاف ہے۔ یہی بات پیپلز پارٹی کے منشور میں بھی ہے۔ ۱۹۸۵ کے بعد سے تمام انتخابات میں سب پارٹیوں نے ایٹمی صلاحیت پر کوئی سمجھوتہ نہ کرنے کا اعلان کیا۔ یہی اصل قومی مینڈیٹ ہے۔

موجودہ حکومت نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں سی ٹی بی ٹی پر بحث کرائی اور اس بحث میں بھی یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ قوم سی ٹی بی ٹی پر کوئی سمجھوتہ کرنے کے حق میں نہیں۔ اس پس منظر میں وزیراعظم کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ وہ صاف کہہ دیں کہ ایٹمی صلاحیت کے مسئلے پر کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی۔ معاشی پابندیاں ناجائز اور ناروا ہیں۔ ان کے ہٹائے جانے پر بات ہو سکتی ہے لیکن ایٹمی صلاحیت پر کسی سمجھوتے اور سی ٹی بی ٹی اور اس سلسلے کے دوسرے معاہدات پر پاکستان کی سلامتی اور ملت اسلامیہ کے مفاد کے تحفظ کے بغیر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔

جن حدود میں بات چیت ہو سکتی ہے' وہ یہ ہیں:

۱۔ ایٹمی صلاحیت پر چند ملکوں کی مستقل اجارہ داری ناقابل قبول ہے۔ یا سب کو یہ حق حاصل ہو یا کسی کو بھی نہ ہو۔ اگر بڑی طاقتیں محض اپنی قوت کے سہارے یہ اجارہ داری قائم رکھنا چاہتی ہیں تو اس کا ردعمل ہو گا اور عملاً ہو رہا ہے۔ پاکستان اس ایٹمی امتیاز (apartheid) کو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اور اس سلسلہ میں یہ امت مسلمہ کو بھی بیدار اور منظم کرے گا۔

۲۔ ایٹمی صلاحیت کا مسئلہ معاشی پابندیوں سے فوری طور پر غیر مربوط کیا جائے۔ آزادانہ معاشی تعاون و تجارت اور سرمایہ کاری پر بات چیت ہو سکتی ہے لیکن ایٹمی صلاحیت کو ختم کرنے' سی ٹی بی ٹی' این پی ٹی' ایف ایم سی ٹی (Fission Material Cut off Treaty) اور ایم ٹی سی آر (Missile Technology Control Regime) کو قبول کرنے کی قیمت پر نہیں ہو گی۔

۳۔ پاکستان' بھارت کی طرح ایک ایٹمی ہتھیار والا ملک ہے اور دنیا کو یہ حقیقت کو تسلیم کرنا ہو گی۔ این پی ٹی میں ضروری ترمیم کے بغیر آگے کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی۔ پاکستان کبھی بھی ایٹمی ہتھیار نہ رکھنے والے (Non-Nuclear Weapon) ملک کا مقام قبول نہیں کرے گا۔

۴۔ عالمی اور علاقائی سطح پر نیوکلیر تخفیف اسلحہ پر بات چیت اور اس کے نئے صحت مند نظام کو قائم کرنے کے لیے ہم تیار ہیں اور سب کو اس کے لیے کام کرنا چاہیے۔

۵۔ نمبر ۴ کا لازمی تقاضا ہے کہ جنوب ایشیا کے مسائل کا حل بھارت کے عزائم اور استطاعت اور پاکستان اور بھارت کے درمیان قابل قبول توازن قوت کی بنیاد پر کیا جائے۔ بھارت کے ساتھ ترجیحی سلوک ختم ہو اور جو مقام اور سہولتیں اسے دی جائیں وہی علاقے کی دوسری ایٹمی طاقت یعنی پاکستان کو حاصل ہونی چاہییں۔ اس میں سیکورٹی کونسل کی نشست سے لے کر ٹکنالوجی کی منتقلی اور دوسری مراعات یا انتظامات

سب شامل ہیں۔ اسی طرح بھارت کے ساتھ جوہری مادہ کی افزودنی' جوہری تجربات' میزائل کی تنصیب' جوہری اسلحہ اور اسلحہ کی تنصیب' ان تمام معاملات میں قابل لحاظ سدجارحیت کے اصول پر بات چیت ہو سکتی ہے' یک طرفہ پابندیاں قبول نہیں کی جاسکتیں۔ ان تمام امور میں بھارت سے موازنہ (linkage) فطری اور ناقابل سمجھوتہ ہے۔ بھارت آیندہ جب بھی تجربہ کرتا ہے یا توازن قوت متاثر ہوتا ہے تو پاکستان کو بھی اختیار ہونا چاہیے کہ وہ توازن کو بحال کر سکے۔ البتہ اگر بھارت ان تمام معاہدات پر دستخط کر دیتا ہے اور پاکستان اور بھارت کے درمیان جو سب سے بنیادی اور کلیدی مسئلہ --- یعنی جموں و کشمیر کے عوام کا اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اپنے مستقبل کا فیصلہ --- حل نہیں ہوتا' تو اس وقت تک بھارت کے دستخطوں کے باوجود پاکستان جوہری پابندی کے اس نظام کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو۔

۶- اوپر نمبر ۵ کی روشنی میں فطری طور پر اس فریم ورک کا ایک اہم اور فیصلہ کن حصہ مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل ہے جو اقوام متحدہ کی قراردادوں اور جموں و کشمیر کے عوام کی آزادانہ مرضی کے مطابق ہو۔ باقی مسائل کے حل کے لیے اسے کلید کی حیثیت حاصل ہے اور اس کے لیے محض دو طرفہ مذاکرات کافی نہیں جن کے لاحاصل ہونے کا تجربہ پچاس سال سے ہم کر رہے ہیں اور جس کی تازہ ترین مثال اسی ماہ دہلی میں منعقد ہونے والے مذاکرات ہیں۔ عالمی طاقتوں اور اقوام متحدہ کو متحرک ہونا پڑے گا اور کشمیر کی تحریک مزاحمت کو وہی مقام دینا ہو گا جو آزادی کی ساری تحریکات کو دیا گیا ہے۔ خود انھیں شریک مذاکرات کرنا ہو گا اور ایک مقررہ مدت میں مسئلے کو حل کرنا ہو گا۔ اس کے بغیر علاقے میں امن کا قیام اور برصغیر کے وسائل کی معاشی اور انسانی ترقی کے لیے فراہمی ممکن نہیں۔ حقائق سے صرف نظر کر کے اور انصاف کے تقاضوں کو نظرانداز کر کے کبھی حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

یہ ہے وہ چھ نکاتی فریم ورک جس میں برعظیم کے مسائل حل ہو سکتے ہیں' امریکہ اور بھارت سے بات چیت ہو سکتی ہے اور پوری پاکستانی قوم کی تائید سے علاقے کے تعمیر نو کے خطوط مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر کوئی راستہ نہ اس قوم کے لیے قابل قبول ہو گا اور نہ اس کے نتیجے میں مسائل کے حل کی طرف کوئی پیش رفت ممکن ہے۔ صدر کلنٹن سے ضرور ملیے لیکن پاکستانی قوم اور امت مسلمہ کے بہترین مفاد کے تحفظ کے لیے جرات اور سمجھ داری سے ایک مضبوط موقف اختیار کیجیے اور اس سے سرمو نہ ہٹیے۔ قرضوں کے شکنجے کو توڑ دیجیے اور آزادی اور سلامتی کے تحفظ کے لیے ایٹمی صلاحیت پر کوئی آنچ نہ آنے دیجیے۔ عزت اور زندگی کا یہی راستہ ہے۔ اس سے ہٹ کر اگر کوئی کمزوری دکھائی گئی تو یہ باغیرت قوم اسے ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرے گی۔

(طوالت کے پیش نظر کچھ حصے حذف کیے گئے ہیں۔ مکمل متن' منشورات کے کتابچے' **ایٹمی صلاحیت اور قرضوں کا شکنجہ** میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔)

شب قدر کی عظمت

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّا أَنزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَا أَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ (القدر ۹۷: ۱-۵)

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

سورۃ القدر وہ سورت ہے جس میں شب قدر کی نسبت سے قرآن مجید کا مقام، اس کی عظمت اور اس کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سورت سے قبل، سورۃ العلق میں پہلی وحی کے نزول کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ پر پہلی وحی رات کے وقت اور فجر سے کچھ قبل نازل ہوئی۔ اس سورت میں جب بات شروع ہوتی ہے تو یہ نہیں فرمایا کہ کیا چیز اتاری ہے بلکہ یہ فرمایا گیا ہے:

إِنَّا أَنزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○

ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

گویا کہ جو چیز اتاری گئی وہ اتنی جانی پہچانی ہے اور جس سیاق و سباق میں یہ بات ہو رہی ہے، اس میں یہ بات اتنی روشن ہے کہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن مجید کو اتارا گیا۔ چنانچہ بہت سے ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ ہی اس طرح کیا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے۔ اگرچہ بعض مترجمین نے ترجمے میں قرآن مجید کا لفظ تو استعمال نہیں کیا ہے لیکن اس بات کو واضح کیا ہے کہ "اس" سے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے، جس کے بارے میں پچھلی سورت (سورۃ العلق) میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ بات بھی قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر بیان ہوئی ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو رمضان المبارک کے مہینے میں اتارا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرۃ ۲: ۱۸۵)، "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا"۔ ان دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک ہی کی ایک رات

ہے۔ سورۃ الدخان کے آغاز میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان ۴۴: ۲-۳) "قسم ہے اس کتاب مبین کی کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے"۔ یہاں خیر و برکت والی رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔

سورۃ القدر میں "انا" کا لفظ آغاز ہی میں جس اہتمام کے ساتھ آیا ہے اور اس میں جتنی قطعیت پائی جاتی ہے کہ بے شک ہم نے یہ کام کیا ہے' یہ دراصل اسی چیز کی طرف توجہ دلا رہا ہے جس کا قرآن مجید بار بار ذکر کرتا ہے۔ یعنی کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اسی کی اتاری ہوئی ہے۔ اس میں کسی مخلوق کا کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ خود اس کتاب کو لانے والے (یعنی جبریلؑ) کا اس کتاب کے مضامین اور تعلیمات میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کسی شیطان یا کسی جن کا کوئی بس نہیں تھا کہ وہ اس میں کسی قسم کی ملاوٹ کر سکے۔ جو کتاب لوح محفوظ میں ہے' وہ کتاب اسی طرح لفظ بہ لفظ نبی کریمؐ کے قلب مبارک پر نازل کر دی گئی تھی۔ "انا" کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ یہ کتاب اللہ نے اتاری ہے۔ محمد الرسولؐ اللہ کی اپنی تصنیف کردہ نہیں ہے۔

اس سورت میں لیلۃ القدر کا لفظ استعمال ہوا ہے' جس کا اردو ترجمہ شب قدر ہے۔ لفظ "قدر" کے مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اردو زبان میں قدر تین معنوں میں بولا جاتا ہے ایک' قدرت یعنی کسی چیز پر اختیار یا طاقت رکھنا۔ دوسرا' تقدیر کے معنوں میں جس کا مطلب ہے چیزوں کا منصوبہ بنانا' ان کا اندازہ اور پیمانہ مقرر کرنا اور تیسرے معنی قدر و قیمت یا کسی چیز کے مقام عظمت کے ہیں۔ "قدر" کا لفظ عربی زبان میں بھی انھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یہ تینوں معنی مراد ہیں۔

لہٰذا شب قدر وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے اختیار اور قدرت سے معاملات کو طے کرتا ہے۔ اگلی آیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ اس رات میں اللہ کے حکم سے فرشتے ہر کام کے فیصلے لے کر اترتے ہیں۔ گویا کائنات کے دن رات کے نظام میں جو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے' اللہ نے ایک رات ایسی مخصوص کی ہے کہ جس میں سال بھر کے فیصلے اور احکامات فرشتوں کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ وہ رات شب قدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے "آج کل" یا "آگے اور پیچھے" جیسے الفاظ بے معنی ہیں۔ یہ الفاظ ہمارے جیسے انسانوں کے لیے ہیں جو آج اور کل کے چکر میں ہیں' جن کا علم اور اندازہ اسی پر مبنی ہے۔ مگر اللہ جو کہ اول بھی ہے اور آخر بھی' جس کا علم ظاہر و باطن ہر چیز پر حاوی ہے' اس کے لیے جو کچھ کل ہونے والا ہے وہ اسی طرح ہے جیسے آج ہونے والا ہے۔ البتہ فرشتے اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہ عالم الغیب نہیں ہیں اور فرشتوں کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ اس کائنات میں تدبیر کرتا ہے۔ چنانچہ شب قدر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ وہ رات ہے جس میں اللہ کی طرف سے فیصلے ہوتے ہیں۔ اس بات کو سورۃ الدخان میں یوں بیان کیا گیا ہے: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (الدخان ۴۴: ۴-۵) "یہ وہ رات تھی جس میں ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے"۔

اس سلسلے میں تیسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول اور کائنات کے نظام کی تقدیر' تدبیر یا فیصلوں کو فرشتوں کے سپرد کیے جانے کی وجہ سے بھی اس رات کی عظمت' بزرگی اور قدر و قیمت بہت زیادہ ہے۔ انسان کی ہدایت' انسان کی تمام ضروریات' اس کی موت و زندگی' رزق اور عمر کے فیصلوں کے حامل ہونے کی بنا پر یہ رات منفرد مقام رکھتی ہے۔

اس رات کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس رات کو قرآن مجید کے نزول کے لیے جو کہ سب سے بڑی حکیمانہ چیز ہے' منتخب کیا گیا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان ۴۴:۳) "ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا"۔ اس برکت والی رات میں اللہ تعالیٰ تمام امر حکیم کا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کے تمام احکامات امر حکیم ہی ہوتے ہیں۔ لفظ حکیم کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی حکمت والی چیز کے ہیں' دوسرے یہ کہ جس کے اندر کوئی دخل نہ دے سکے اور کوئی اس سے سرتابی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اگر ایک طرف حکمت سے لبریز ہوتے ہیں تو دوسری طرف کسی کی قدرت اور بس میں نہیں ہے کہ وہ اس کے احکام سے سرمو تجاوز کر سکے یا ان سے باہر نکل سکے۔ قرآن مجید اس کی حکمت کا شاہکار ہے جو اس نے اس رات میں نازل کیا۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ پوری کائنات ایک مربوط نظام کے تحت چل رہی ہے۔ اللہ رب العزت جیسی حکیم ہستی اس نظام کو چلا رہی ہے۔ اس چھوٹی سی آیت میں کائنات کے نظام کے ایک امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس کے تحت قرآن مجید کا لیلۃ القدر میں نزول ہوا۔ قرآن مجید کا لوح محفوظ میں محفوظ ہونا' اس کا نزول' وحی کی نوعیت وغیرہ ایسے معاملات ہیں جن پر قرآن مجید اور وحی کا پورا انحصار ہے۔ یہ کائنات کے نظام کے ایسے اسرار و رموز ہیں کہ ان کی ابجد سے بھی انسان پوری طرح واقف نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کے فہم سے بالاتر ہیں۔

کائنات کو جاننا ایک مشکل امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کے چھپے ہوئے نظام کو سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے' جو نظام نگاہوں کے سامنے ہے وہ بھی انسان کی سمجھ میں پورا نہیں آ سکتا۔ جدید فلکیات کی رو سے نوے فی صد کائنات' ستارے اور سیارے وغیرہ انسان کی نگاہوں سے محو ہیں۔ انسان انھیں دیکھ نہیں سکتا۔ کائنات میں بلیک ہول (black hole) نام کی چیز پائی جاتی ہے جسے انسان صرف فارمولے' کلیات اور اعداد و شمار ہی سے جان سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو دیکھنے یا جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ انسان اگر یہ جاننا چاہے کہ زمین کے اندر ایک میل تک کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں تو وہ یہ جاننے سے بھی قاصر ہے۔ انسان ابھی تک یہ نہیں جان سکا کہ اس کرۂ ارض کے اندر زیر زمین کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ کائنات کے اسرار و رموز کو جاننا تو بہت بڑی بات ہے۔ کائنات ایک طرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کی امین ہے تو دوسری طرف انسان کی بے بسی کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ کتنا مجبور اور بے بس ہے۔

کائنات کے اسرار و رموز میں سے ایک نزول وحی بھی ہے۔ وحی کیا ہے؟ یہ کس طرح نازل ہوتی ہے؟

اس کو جاننا انسان کے بس سے باہر ہے۔ اس لیے کہ انسان کو نہ اس کا تجربہ ہے اور نہ ہی انسانی علوم میں سے کوئی علم ایسا ہے کہ جس کے ذریعے انسان وحی کے بارے میں جان سکے۔ یہ تو صرف انبیا پر نازل ہوتی تھی اور صرف اللہ کے حکم سے نازل ہوتی تھی۔ البتہ وحی کے نزول کے حوالے سے کچھ اشارے ملتے ہیں جن کے ذریعے نزول وحی کے بارے میں جانا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید میں "روح" کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سورہ میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ "روح" سے مراد روح الامین، حضرت جبریلؑ بھی ہیں اور یہ لفظ وحی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ سوال کرتے تھے کہ روح کون ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپؐ کہہ دیں کہ یہ امر ربی یعنی وحی ہے۔ مگر تم کو اس کے بارے میں کم علم دیا گیا ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ○ (بنی اسراءیل ۱۷: ۸۵)، "یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے"۔

لیلۃ القدر وہ رات ہے جب ملائے اعلیٰ کا زمین کے ساتھ ربط قائم ہوا۔ خدائے لامکاں جو کہیں نہیں ہے، جو انسانوں کی طرح کلام نہیں کرتا، اس کی کوئی مخصوص زبان نہیں، وہ کسی خاص مقام پر موجود نہیں مگر ہر جگہ موجود ہے اور جس کی مثل کوئی شے نہیں ہے، اس نے اپنے ایک ایسے بندے سے کلام کیا جو اس کی مخلوق ہے۔ یہ واقعہ اپنی جگہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ ہزارہا برس سے سوچنے والے مفکرین، فلسفی اور مفسرین اس بات میں سرگرداں ہیں کہ خدا کا اپنے بندے سے ہم کلام ہونا، وحی اور روح کا نزول ہونا، آخر اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسی بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ القدر کی ابتدائی آیت میں اس طرح سے دیا کہ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا جو رمضان المبارک کی ایک رات تھی۔

لیلۃ القدر میں نزول قرآن سے کیا مراد ہے؟ یہ بات سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس برس میں مکمل کتاب کی شکل میں نازل ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شب قدر میں اس کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس حوالے سے مفسرین نے مختلف توضیحات کی ہیں۔ بعض کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اس رات پورے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیا اور پھر وہ اللہ کے حکم کے تحت، مختلف مواقع کی نسبت سے، اسے زمین پر لے کر اترتے رہے۔ دیگر مفسرین کی رائے میں یہ وہ رات ہے جب قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔ یہ بات زیادہ واضح اور حقیقت کے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر والی رات میں قرآن کو نازل کرنا شروع کیا۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○

اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟

اس آیت کے لغوی معنی کیے جائیں تو وہ یہ ہوں گے کہ کیا چیز ہے جس نے تم کو یہ سمجھ دی ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ اس کا سیدھا سادہ مفہوم جو مفسرین نے لیا وہ یہ ہے کہ تم نے کیا سمجھا کہ یہ شب قدر کیا

چیز ہے؟ میرے خیال میں، اس آیت کا مفہوم اس وقت بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے جب ہم اردو محاورے کے تحت یہ کہتے ہیں کہ تمھیں کیا پتا کہ شب قدر کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس رات کا مقام، اس کی عظمت اور اس رات میں وحی الٰہی کے نزول کا واقعہ انسانی ادراک سے بالاتر ہے۔ دوسرا اشارہ دراصل شوق دلانے کے لیے ہے کہ کیا تمھیں کچھ پتا بھی ہے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ گویا کہ اس بات کی ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اس رات کی قدر و قیمت اور عظمت و مقام کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ○

شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے لفظ کو دہراتے ہوئے فرمایا: شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر یہاں صرف ھی خیر من الف شھر (یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے) کہا جاتا، تو بھی عربی زبان کے اصولوں کے مطابق بات مکمل ہو جاتی۔ لیلۃ القدر کے لفظ کو بار بار دہرانے کی اس حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام رازیؒ نے فرمایا کہ یہ دراصل اس رات کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ درحقیقت اس رات کی عظمت اور مقام کو اجاگر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے لفظ کو تین مرتبہ دہرایا ہے۔

ہزار مہینوں کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے مگر اس میں صحیح بات وہی ہے جو امام رازیؒ نے فرمائی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دراصل عربی زبان میں کسی چیز کی کثرت اور بہت بڑی تعداد کو ظاہر کرنے کے لیے "الف" (ہزار) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں ہزار مہینے سے مراد ایک ہزار مہینے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ رات ہزارہا مہینوں اور سالوں سے بہتر رات ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ رات کن معنوں میں ہزار برس سے بہتر ہے؟ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "خیر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مفسرین کے مطابق اس رات میں خیر کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس رات میں کی جانے والی عبادت اپنے اجر و ثواب اور درجات کے لحاظ سے اللہ کے ہاں ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ برتر اور افضل ہے۔ یہ بات حدیث میں بھی آئی ہے: جس نے لیلۃ القدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کیا، اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو لیلۃ القدر کے خیر سے محروم رہا وہ درحقیقت بہت بڑے خیر سے محروم رہا۔ ان احادیث کی روشنی میں خیر کا ایک پہلو یہ اجاگر ہو کر سامنے آتا ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، اس کے حضور قیام کرنا اور سجدہ ریز ہونا، تلاوت قرآن پاک کرنا، اپنے گناہوں پر گڑگڑانا، توبہ استغفار کرنا اور اس سے دعائیں مانگنا ایسی چیز ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ایک روایت کے مطابق جب نبی کریمؐ نے پہلی امتوں کے اعمال دیکھے تو وہ طویل عمر ہونے کی بنا پر بہت زیادہ تھے۔ اس پر حضورؐ نے سوچا کہ میرے امتیوں کی عمریں تو بہت چھوٹی ہیں، یہ اپنے اجر میں ان تک

کہاں پہنچ پائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر جیسی عظیم نعمت کا انعام فرمایا۔ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے کم کاموں پر اور کم وقت میں' اس امت کے لیے اتنا اجر اور برکت رکھ دی ہے جو دوسری امتوں کے حصے میں نہیں آئی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مزدور کو کسی کام کی مزدوری کے لیے فجر کے وقت سے لے کر ظہر کی نماز تک کے لیے رکھا اور اس سے مزدوری طے کی۔ اس نے جب کام مکمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مزدوری اسے دے دی۔ اس کے بعد ایک دوسرے مزدور کو عصر تک کے لیے رکھا اور کام مکمل ہونے پر اسے بھی مزدوری دے دی اور وہ بھی فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد ایک تیسرا مزدور عصر سے مغرب تک کے لیے رکھا مگر اس سے جو مزدوری طے کی وہ پہلے دونوں مزدوروں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اس نے جب کام پورا کر لیا تو اسے بھی مزدوری دے دی گئی۔ اس پر پہلے دو مزدوروں نے آ کر شکایت کی کہ آپ نے ہم سے کام تو زیادہ لیا مگر مزدوری کم دی۔ حدیث کے مطابق اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا کیا میں نے وہ پورا نہیں کیا؟ وہ جواب دیں گے کہ آپ نے وعدہ تو پورا فرما دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بس پھر تمھارے پاس شکایت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس کے بعد نبی کریمؐ نے فرمایا کہ پہلی مثال یہودیوں کی ہے' دوسری عیسائیوں کی اور تیسری میری امت کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک میں ایک نفل فرض کے برابر ہوتا ہے اور فرض پر ستر فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح جمعہ اور دیگر عبادات کے اجر و ثواب میں اضافے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ رات اس لحاظ سے ہزاروں مہینوں اور برسوں سے بہتر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب اور ہدایت نازل فرمائی جس نے آنے والے ہزاروں برسوں کے لیے انسان کا مقدر متعین کر دیا۔ مختلف قوموں' نسلوں اور تہذیبوں کی تقدیریں طے ہو گئیں۔ کس کو کیا ملنے والا ہے' یہ سب طے کر دیا گیا۔ اخلاق' اقدار' احکام اور شریعت کے حوالے سے اس کتاب کے ذریعے جو کچھ عطا کیا گیا' یہ وہ کام تھا جو ہزاروں برسوں میں بھی نہیں ہو سکتا تھا' صرف اس ایک رات میں انجام پا گیا۔ قرآن مجید کا نازل ہونا ایک ایسا کام ہے' اس کے ذریعے انسان کو جو رہنمائی ملی وہ اتنی بڑی چیز ہے' اس کے ذریعے انسانی تاریخ میں جو تغیر و تبدل اور انقلاب آیا وہ اتنا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اتنا بڑا اور عظیم الشان کام ہزاروں مہینوں میں بھی سرانجام نہیں پا سکتا تھا جو کہ صرف اس ایک رات میں انجام پا گیا۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

ان آیات کو دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک انداز اس طرح سے ہو سکتا ہے: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ "یہ وہ رات ہے جس میں فرشتے اور

روح اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے' ہر کام کا حکم لے کر۔ اور یہ سراسر سلامتی کی رات ہے جو فجر تک رہتی ہے"۔ اسی آیت کی تلاوت کا دوسرا انداز اس طرح سے ہو گا: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ "یہ وہ رات ہے جس میں فرشتے اور روح اپنے رب کا حکم لے کر اترتے ہیں' ہر کام کا حکم لے کر سلامتی کے ساتھ۔ یہ رات فجر کے طلوع ہونے تک باقی رہتی ہے"۔ ان آیات کے مختلف انداز میں تلاوت کرنے سے آیت کے مفہوم میں کوئی تضاد واقع نہیں ہوتا' مطلب ایک ہی رہتا ہے۔ البتہ دو مختلف پہلو کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔

پہلی بات یہاں یہ فرمائی گئی ہے کہ روح اور فرشتے اللہ کے حکم سے اترتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے "تنزل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تتنزل کا مخفف ہے۔ اس کے اصل معنی ہجوم کے ہیں۔ یعنی فرشتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو اس رات میں اترتی ہے اور رات بھر فرشتوں کا آسمان سے زمین کی طرف آنا جانا رہتا ہے۔

اس آیت میں ایک اور لفظ "روح" استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں "روح" کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک معنی تو انسانی روح کے ہیں جس سے زندگی اور حیات انسانی وابستہ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ایک پھونک کی طرح کہا ہے۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر ۱۵: ۲۹)' "میں نے جسد انسانی میں اپنی روح پھونک دی"۔

روح کا لفظ جبریل امینؑ کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے جو کہ وحی کو لے کر نازل ہوئے۔ اسی بنا پر بہت سے ترجموں میں اس لفظ کا ترجمہ جبریلؑ امین ہی کیا گیا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس بات کو ظاہر کرے کہ یہاں اس لفظ کے معنی جبریلؑ امین کے ہیں۔ اس کا مطلب جبریلؑ امین بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ جہاں اس لفظ سے جبریل امین مراد ہیں' وہاں قرآن نے اس لفظ کی تصریح کر دی ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ○ عَلٰی قَلْبِکَ (الشعراء ۲۶: ۱۹۳-۱۹۴)' "روح الامین اس کلام کو لے کر آپؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوئے"۔ یہاں پر روح الامین سے واضح طور پر مراد حضرت جبریلؑ ہیں۔ لیکن اس جگہ پر تصریح نہیں کی گئی ہے بلکہ صرف اتنا فرمایا گیا ہے کہ فرشتے اور روح اترتے ہیں۔

قرآن مجید میں "روح" کا لفظ "وحی" کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ ۴۲: ۵۲)' "اور اسی طرح (اے نبیؐ) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بھی روح کا لفظ وحی کے لیے استعمال کیا ہے وہاں پر اپنے "امر" کا لفظ بھی ساتھ ساتھ استعمال کیا ہے۔ مثلاً وہ جانتا ہے کہ روح کو کہاں اتارے یا جس بندے پر چاہتا ہے اپنی روح کو اتارتا ہے۔ ان تمام جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے مِنْ اَمْرِهِمْ' مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ھِیَ' مِنْ اَمْرِهٖ جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے اپنے "امر" کا لفظ ساتھ ساتھ استعمال کیا ہے۔

گویا اگر "روح" سے مراد فرشتے ہیں تو یہ وہ رات ہے جس میں فرشتے اور جبریلؑ امین اللہ کے حکم سے

زمین پر اترتے ہیں۔ اگر "روح" سے مراد "وحی" لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فرشتے وحی لے کر اپنے رب کے حکم سے اس رات میں اترتے ہیں۔ لیلۃ القدر میں فرشتے وحی لے کر اترتے ہیں یا روح الامین اللہ کے حکم سے اترتے ہیں' اصل بات یہ ہے کہ یہ رات ملائکہ اور وحی' دونوں کے نور سے جگمگاتی ہے اور روشن ہوتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہاں "روح" کا لفظ وحی کے لیے اس لیے بھی استعمال ہوا ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا فعل ہے جس کی پوری حقیقت' انسانی ادراک اور سمجھ سے باہر ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وحی کے ذریعے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اور مردہ قومیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جس طرح وحی (امو دبی) کے ذریعے آسمان سے بارش برستی ہے' جسم میں روح پھونک دی جائے تو مردہ جسم کھڑا ہو جاتا ہے' اسی طرح دل بھی زندہ ہو جاتے ہیں' قومیں بھی زندہ ہو جاتی ہیں' اخلاق بھی زندہ ہو جاتے ہیں اور روح جو مردہ ہو چکی ہو وہ بھی زندہ ہو جاتی ہے۔ یہ وحی ہی ہے جس کے ذریعے معمولی لوگ بڑے بڑے لوگ بن جاتے ہیں۔ ان میں ایسی زندگی پھونک دی جاتی ہے کہ بدو' کاشت کار اور تاجر' دنیا کے بہترین حکمران' کمانڈر اور عالم فاضل بن کر ساری دنیا پر چھا جاتے ہیں۔

وحی کی کیفیت انسانی روح جیسی ہے کہ جب تک جسم میں روح موجود ہو' انسان زندہ رہتا ہے۔ جب روح جسم سے نکل جائے تو ہاتھ پاؤں اور آنکھ' ناک' کان تو ویسے ہی رہتے ہیں مگر جسم بے حس ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جو فرد یا قوم اس وحی کو قبول کر لے اور اپنے اندر جذب کر لے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ اللہ کے انعام و اکرام اور اجر کی مستحق ٹھہرتی ہے اور جو اسے قبول نہ کرے وہ اس سے محروم ہو جاتی ہے۔ دراصل وحی وہ چیز ہے جو کسی قوم کے اندر وہ روح پھونک دیتی ہے جس سے وہ قوم زندہ قوم بن جاتی ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا ع

زندگانی را بقا از مدعا ست

(زندگی تو تب زندگی ہے جب اس کے سامنے کوئی مقصد ہو)

یہی معاملہ قوموں کی زندگی کا ہے۔ قوموں کی زندگی مقصد سے وابستہ ہوتی ہے۔ صرف افراد سے' چلتے پھرتے انسانوں سے' سڑکوں اور کارخانوں کی تعمیر سے قوموں کی زندگی باقی نہیں رہتی۔ قوموں کے سامنے جب کوئی مقصد ہوتا ہے تو وہ زندہ تصور کی جاتی ہیں۔ وحی کسی قوم کو ایک مقصد سے آشنا اور معمور کر دیتی ہے۔

اس رات کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جس سے اس کے ہزار مہینے سے بہتر ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس رات میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات نازل فرمائیں جنھیں جبریل امین اپنے رب کے اذن سے لے کر آتے ہیں۔ "اذن" کا لفظ استعمال کر کے یہاں ایک اور لطیف بات مزید کہہ دی گئی ہے۔ "اذن" کے معنی صرف حکم کے نہیں ہیں' اجازت کے بھی ہیں۔ اجازت مانگنے پر دی جاتی ہے' خود سے نہیں لی جاتی۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرشتے خود اس بات کے مشتاق ہوتے ہیں کہ انسانوں

کے پاس جائیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اس بات کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ جب انھیں اجازت دی جاتی ہے تو وہ اس رات میں آسمان سے زمین پر جوق در جوق نازل ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان فرشتوں سے بھر جاتے ہیں۔ وہ انسانوں تک اللہ کا کلام اور پیغام پہنچاتے ہیں جو سلامتی کا پیغام ہے، دل کی سلامتی، گھروں کی سلامتی، قوم اور تہذیب و تمدن کی سلامتی۔ ایک روایت کے مطابق فرشتے گلیوں اور راستوں میں ایسے لوگوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں جو اللہ کی یاد میں مشغول ہیں۔

قرآن مجید میں جنت کے حوالے سے بھی فرشتوں کا ذکر بہت واضح الفاظ میں ملتا ہے، وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْہِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ (الرعد ۱۳: ۲۳-۲۴)، "ملائکہ ہر طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے "تم پر سلامتی ہو"۔ اس طرح سے جنت کے ہر دروازے سے فرشتے اہل جنت کے سامنے آتے ہیں اور انھیں سلامتی کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

دنیا کے حوالے سے بھی کہا گیا ہے کہ فرشتے، ان مومنین مردوں اور عورتوں کے لیے جو اخلاص اور دیانت کے ساتھ اللہ کی راہ پر چل رہے ہوں، استغفار کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کے مطابق فرشتے ان لوگوں کے ساتھی، مددگار اور ہمراہ ہوتے ہیں جو "وحی" کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر کھول کر بیان کی گئی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔ (حم السجدہ ۴۱: ۳۰-۳۱)، "جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ، اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی، تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی"۔ گویا جو لوگ رب پر ایمان لائیں اور اس پر استقامت کے ساتھ جم جائیں، ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان کو خوف اور ڈر سے محفوظ رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس بات کا تذکرہ بھی ہے کہ جب انسان مرنے لگتا ہے یعنی موت کے وقت بھی فرشتے اسی طرح اترتے ہیں۔ حق و باطل کا اگر کوئی معرکہ پیش آ جائے جیسا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر پیش آیا، تو قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے کہ اس موقع پر بھی فرشتے اترتے ہیں اور دلوں کی طمانیت اور سکینت اور حوصلوں کو بلند کرنے کی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق لڑائی میں حصہ بھی لیتے ہیں۔

دراصل فرشتوں کا نزول "وحی" کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ اس میں تسکین و تسلی کا سامان بھی ہے اور اس رات کی عظمت کا بیان بھی۔ "روح" سے جبریل امین مراد لی جائے یا وحی، جو کہ جبرئیل امین لے کر آتے ہیں، دونوں صورتوں میں اس سے لیلة القدر کا مقام اور اس کی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔ من کل امر سلم میں اگر من کل امر کو پہلے حصے کے ساتھ ملایا جائے، جس کو میں ترجیح دیتا ہوں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فرشتے اور روح اس رات میں اللہ کے حکم سے اترتے ہیں اور ان تمام کاموں کے فیصلے لے کر اترتے

ہیں جو اللہ نے صادر کرنا ہوتے ہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جہاں بھی وحی کا لفظ آیا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے امر کا ذکر بھی کیا ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف ۷:۵۴)، "تخلیق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے"۔ یہاں ایک اہم نکتہ قابلِ غور ہے وہ یہ کہ خدا کے بارے میں یہ عقیدہ تو بہت عام ہے کہ انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے لیکن یہ عقیدہ کہ اس کائنات میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے، جو کچھ پیش آتا ہے صرف اسی کے حکم سے پیش آتا ہے۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدہ ۳۲:۵)، "وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے"۔ سارے معاملات وہی طے کرتا ہے۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ (البقرہ ۲:۲۱۰)، "آخر کار سارے معاملات پیش تو اللہ ہی کے حضور ہونے والے ہیں"۔ عرش جو کائنات کا مرکز سلطنت ہے، اس پر وہی قائم ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (یونس ۱۰:۳)، "وہ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہو کر کائنات کا نظام چلا رہا ہے"۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کو انسان کی زندگی میں ایک جیتی جاگتی حقیقت بنا کر زندہ رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ جہاں نے تاج محل بنایا۔ اس سے کوئی تعلق ہماری زندگی کا نہیں ہے۔ شاہ جہاں کو تو اتنا خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے کہ اس نے دنیا کا ایک عجوبہ، تاج محل بنایا تھا حالانکہ ہماری عملی زندگی میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی عقیدہ صرف اتنا ہی ہو کہ اس نے اس دنیا کو بنایا ہے اور وہ اس کا خالق ہے تو یہ بات خلاف حقیقت ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید جہاں بھی تقویٰ کا ذکر کرتا ہے وہاں اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (یونس ۱۰:۳)، "وہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہے"۔ وہ کاموں کی تدبیر کر رہا ہے۔ سارے کام اسی کے حکم سے انجام پا رہے ہیں۔

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○

وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

عربی زبان میں الفاظ تین حروف سے مل کر بنتے ہیں۔ "سلٰم" کا لفظ تین حروف، س، ل اور م سے مل کر بنا ہے۔ اس کے معنی امن اور حفاظت کے ہیں۔ اسی سے لفظ اسلام بنا ہے۔ دونوں لفظ گرامر کی رو سے ایک ہی مادے سے بنے ہیں۔ اسلام کے معنی اپنے آپ کو اللہ کے آگے ڈال دینا اور اس کے سپرد کر دینا ہے۔ انسانی زندگی کے لیے سلامتی اور امن اسی بات میں پوشیدہ ہے۔

قرآن مجید کے نزول کے لحاظ سے "سلٰم" کے ایک معنی تو یہ ہوتے کہ یہ وہ رات ہے جس میں قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے ہیں اور قرآن کی حفاظت اور تحفظ کا نظام مکمل طور پر موجود ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل یا تحریف کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ بات ایک لفظ (سلٰم) میں کہہ دی گئی ہے کیونکہ یہ ایک چھوٹی صورت ہے۔ مگر دیگر مقامات پر یہ بات تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ ۵۶:۷۹)، "جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا"۔ یعنی سوائے پاکیزہ لوگوں کے کوئی اس کلام کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اس رات میں اگر شیطان مداخلت کرنا چاہیں تو انھیں شہاب

ثاقب مارے جاتے ہیں۔ وہ اللہ کے احکام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے اور سن گن تک حاصل نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر وحی الٰہی بالکل محفوظ ہے۔ کوئی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ (عبس ۸۰: ۱۵-۱۶) "یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں، بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں، معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں"۔ گویا درمیان میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ رسول کریمؐ نے اسے خود تخلیق کیا ہے یا کسی اور نے اس میں کوئی ردوبدل کر دیا ہے۔ گویا وحی، اللہ کا کلام ہے اور اس کی حفاظت کا مکمل اہتمام ہے۔ کوئی اس میں ردوبدل نہیں کر سکتا۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس رات میں اللہ کی طرف سے جو فیصلے کیے جاتے ہیں، وہ سراپا سلامتی و امن ہوتے ہیں۔ ان فیصلوں میں قوموں کو عذاب دینا، زندگی اور موت کا فیصلہ کرنا اور رزق کو گھٹانے بڑھانے کے فیصلے بھی شامل ہوتے ہیں جو کہ بہ ظاہر خیر اور امن کے فیصلے نہیں ہوتے۔ اس بات کا جواب چھٹے کلمے میں اس طرح سے دیا گیا ہے کہ خیر اور شر کی قدرت صرف اللہ کے پاس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے مجموعی نظام میں بہ ظاہر فیصلہ کیسا ہی ہو، اس میں اللہ کی طرف سے سلامتی اور بہتری ہی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ قوموں پر عذاب کے فیصلوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے اس قوم کے لیے رحمت اور اس کے عدل کی نشانی ہوتے ہیں۔ اگر ظالموں کی گرفت نہ کی جائے اور ان کا خاتمہ نہ کیا جائے تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہو گا۔ اس کے نتیجے میں امن و سلامتی خطرے میں پڑ جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اسی لیے ظالموں کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام ۶: ۴۵) "ظالم قوموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ ہزار ہزار شکر ہے اللہ کا جو رب العالمین ہے"۔ یہ ایک قسم کی سلامتی ہے جو اللہ کی طرف سے انسانوں پر اتاری جاتی ہے۔ پھر وہ چیز جو اس رات میں اتاری گئی ہے یعنی قرآن جس کا ابتدائی آیت میں ذکر کیا گیا ہے، یہ وہ چیز ہے جو انسان کی زندگی، فکر، تہذیب و تمدن اور نظام فکر و عمل کے لیے سراسر سلامتی ہے۔ گویا اس رات میں جو کام یا فیصلے ہوتے ہیں، وہ سلامتی پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ رات بھی اپنی جگہ سلامتی کی رات ہے۔

حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

یہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔

یہ وہ وقت ہے جب تہجد اور سحری کا وقت ختم ہوتا ہے، صبح کاذب ہوتی ہے اور پو پھوٹتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح طور پر متعین ہو گئی کہ یہ رات فجر کے وقت تک باقی رہتی ہے۔

ایک اور پہلو جس کا آیت کی تفسیر سے بہ ظاہر کوئی تعلق نہیں لیکن اپنی جگہ وزن رکھتا ہے، یہ ہے کہ اس رات میں جو فیصلے کیے جاتے ہیں، وحی اتار کر انسان کو جس ہدایت سے نوازا گیا اور سلامتی کا جو نظام دیا گیا، یہی وہ چیز ہے جس سے انسان کو صبح کی روشنی نصیب ہوتی ہے۔ یہاں صبح سے میری مراد سورج کا طلوع ہونا نہیں ہے بلکہ وہ صبح ہے جو ظلم کی اندھیری رات کے بعد امن و سکون، سکھ چین اور عدل و انصاف کو لے کر طلوع ہوتی

ہے۔ گویا یہ روشنی مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں زندگی اور امید کا پیغام لے کر نمودار ہوتی ہے۔

روشنی اور تاریکی کا یہ مفہوم براہ راست تفسیر کے دائرے میں تو نہیں آتا مگر ذہن اس طرف بھی جاتا ہے کہ اس رات میں انسان کو جو ہدایت، کتاب اور روشنی دی گئی وہ انسان کے لیے صبح ہے۔ اس کے نتیجے میں ہی انسانیت کو امن، چین، سکھ، تہذیب و تمدن، آزادی فکر، ضمیر کی آزادی اور حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔

لیلۃ القدر کون سی رات ہے؟ اس کے متعلق بہت سی روایات ملتی ہیں۔ البتہ اس حد تک بات یقینی ہے کہ یہ رمضان المبارک کی ایک رات ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید رمضان میں نازل ہوا اور شب قدر میں نازل ہوا۔ بعض علما کے نزدیک یہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سترہ رمضان کی رات ہے۔ اس لیے کہ یہ غزوۂ بدر کا دن ہے۔ ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن کے مطابق یہ آخری عشرے کی کوئی ایک رات یا کوئی طاق رات ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کو بھی اسی طرح چھپا دیا جس طرح اس نے اپنی اطاعت کو بہت سے نیک کاموں میں چھپا دیا تاکہ آدمی ہر نیک کام کرے۔ اپنے غضب کو بہت سے گناہوں میں چھپا دیا تاکہ آدمی ہر گناہ سے بچے۔ اپنے اسم اعظم کو اپنے سارے ناموں کے اندر چھپا دیا تاکہ آدمی اس کے سارے نام لے۔ اسی طریقے سے اس نے اس رات کو بھی چھپا دیا تاکہ آدمی ہر رات کو اس کے حضور کھڑا ہو، ہر رات کو جستجو اور کوشش کرے تاکہ وہ اس رات کو پا سکے۔ اس رات کی عبادت، اس کے نور اور اس رات میں جو کام انجام پایا ہے، اس سے واقف ہو سکے۔

ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ آج دنیا مادیت کا شکار ہو چکی ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں بے شمار ترقی ہوئی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ بہت تیز ہو گیا ہے۔ جو فاصلے پہلے برسوں میں طے ہوتے تھے وہ اب منٹوں اور سیکنڈوں میں طے ہوتے ہیں۔ جو آواز کہیں نہیں پہنچ پاتی تھی وہ اچانک ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے۔ بہ ظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بہت آگے بڑھ رہی ہے۔ لیکن فی الواقع اس صدی میں اخلاق، روح اور اقدار کی جو موت واقع ہوئی ہے اس کی وجہ سے دنیا کی تاریخ میں یہ صدی سب سے زیادہ خون ریز صدی ہے۔ اس صدی میں انسان کا اتنا خون بہا ہے کہ جس کی کوئی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ خون عصبیت، نسل اور رنگ کے نام پر، مال و دولت اور دنیا کی بین الاقوامی مارکیٹوں پر قبضہ جمانے کے لیے اور کمزور قوموں کو کچلنے کے لیے بہایا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں انسانی زندگی عدم سکون کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

ایک نومسلم، محمد اسد جو یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے اور انھوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ وہ برسوں مسلم ممالک میں پھرتے رہے، اسلام کو سمجھ بھی لیا اور اس کے قائل بھی ہو گئے مگر مسلمان نہ ہوئے۔ ایک دن وہ برلن میں بس میں سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر انھوں نے مسافروں کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لیا تو انھیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے ہر شخص کے چہرے پر ایک قسم کی آگ، تپش، سوزش اور جلن ہو۔ ہر شخص بے چین اور مضطرب نظر آ رہا تھا۔ گھر

جا کر جب انھوں نے قرآن مجید کھولا تو پہلی آیت یہ نظر آئی: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (التکاثر ۱۰۲: ۱-۲) "تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو"۔ گویا کثرت کی ہوس کہ یہ بھی ہو جائے اور وہ بھی ہو جائے، اس نے تم کو غافل کر دیا ہے اور اب تم اپنی آنکھوں سے جہنم کو دیکھ لو گے۔ اس طرح سے انھیں احساس ہوا کہ ہوس پرستی کی وجہ سے لوگ کس طرح بے چینی اور اضطراب کے جہنم میں جل رہے ہیں اور ان کی زندگی سکون سے محروم ہے۔ یہ واقعہ ان کے قبول اسلام کا باعث بنا۔

غور کیا جائے تو آج ہر شخص مضطرب و بے چین ہے۔ ایک جہنم ہے کہ جو چہروں، دلوں اور زندگیوں میں بھڑک رہی ہے۔ اس کا علاج وہی سلامتی کا پیغام ہے جو شب قدر میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ انسانیت کے لیے امن و چین، سکون و نجات اور بہتری اگر کسی چیز میں پوشیدہ ہے تو وہ اس کلام الٰہی میں پوشیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی نجات کے لیے سلامتی والی رات، لیلۃ القدر میں اتارا تھا۔ امت مسلمہ کو اس کتاب کا امین بنایا گیا ہے اور یہ ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے کہ وہ خود بھی اس پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ یہی وہ بات ہے جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر بات ہے جس کا کہ اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کتاب کی قدر و قیمت کو جاننے، پہچاننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

(کیسٹ سے تیار کیا گیا۔ تدوین: امجد عباسی)

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

خرچ سے مراد بھی ہر طرح کا خرچ نہیں ہے' بلکہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پوری کرنا' رشتہ داروں' ہمسایوں اور حاجت مند لوگوں کی مدد کرنا' رفاہ عامہ کے کاموں میں حصہ لینا' اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مالی ایثار کرنا مراد ہے۔

بے جا اور عیش و عشرت کے لیے خرچ اور ریاکارانہ خرچ وہ چیز نہیں ہے جسے قرآن "انفاق" قرار دیتا ہے' بلکہ یہ اس کی اصطلاح میں اسراف اور تبذیر ہے۔

اسی طرح کنجوسی اور تنگ دلی کے ساتھ جو خرچ کیا جائے کہ آدمی اپنے اہل و عیال کو بھی تنگ رکھے' اور خود بھی اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری نہ کرے' اور خلق خدا کی مدد بھی اپنی استطاعت کے مطابق کرنے سے جی چرائے' تو اس صورت میں اگرچہ آدمی خرچ تو کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہے' مگر قرآن کی زبان میں اس خرچ کا نام "انفاق" نہیں ہے بلکہ وہ اس کو "بخل" اور "شح نفس" کہتا ہے۔

تفہیم القرآن' جلد سوم' ص ۲۲۶

خیر خواہ

رمضان ــــ شہر القرآن

خورشید احمد

رمضان کی اہمیت کے بے شمار پہلو ہیں لیکن اس کی سب سے اہم خصوصیت قرآن سے اس کی نسبت خاص ہے۔ اس پہلو پر خصوصی غور و فکر کی ضرورت ہے۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ الہامی ہدایت اور روزے کا بڑا قریبی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے جو ہدایت وقتاً فوقتاً نازل فرمائی ہے، اسے کسی نہ کسی پہلو سے روزے سے خصوصی نسبت حاصل رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جو ایام گزارے اور جن میں ان کو تورات سے نوازا گیا، ان میں آپ روزے سے رہے۔ اس کی پیروی میں یہود چالیس دن روزہ رکھنا اچھا سمجھتے ہیں اور چالیسویں دن کا روزہ ان پر فرض ہے (خروج ۳۴-۲۸)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی نزول انجیل کے زمانے میں جب کہ وہ چالیس دن تک جنگل میں تھے، روزہ رکھا (متی ۴-۲)۔ اس تاریخ کا سب سے واضح باب سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ آغاز نزول قرآن سے قبل کے ایام آپؐ زیادہ سے زیادہ غار حرا کی تنہائیوں میں ذکر و فکر اور عبادت الٰہی میں گزارتے۔ آپؐ اعتکاف فرماتے جس کا ایک جزو روزہ تھا۔ آپؐ روزہ اور ذکر و فکر کے اسی عالم میں تھے کہ جبریلؑ امین پہلی وحی لے کر آئے اور انسانی تاریخ میں قرآن کے دور کا آغاز ہوا۔

ان تینوں جلیل القدر انبیا کی سیرت کے اس پہلو پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ہدایت ربانی اور روزے اور اعتکاف میں بڑا گہرا ربط اور تعلق ہے۔ نبی، اللہ کی خاطر دنیا سے کٹتا ہے اور صرف اپنے مالک اور آقا سے لو لگاتا ہے، اسی کا نام اعتکاف ہے۔ وہ جسم اور روح کی تربیت اور طہارت کے لیے کچھ خاص حدود کے اندر غذا اور نفس کی دوسری لذتوں سے کنارہ کش ہوتا ہے اور یہی روزہ ہے۔ اس طرح وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اسے اس امانت الٰہی کے اٹھانے کے لائق سمجھا جاتا ہے اور الہامی ہدایت اس پر نازل کی جاتی ہے۔ پھر وہ اس ہدایت کو لے کر انسانیت کی طرف لوٹتا ہے اور انسانیت کی نئی تشکیل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اگر دل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو رمضان المبارک ہر سال امت کو انسانی تاریخ کے اسی انقلاب آفریں لمحے کی یاد تازہ کراتا ہے اور ہر سال اس رشتے کو استوار کرنے کا وظیفہ انجام دیتا ہے۔

تیس دن کے روزے وہ روحانی پاکیزگی اور تقویٰ پیدا کرتے ہیں جن کے بغیر انسان حامل قرآن نہیں بن

سکتا۔ آخری عشرے یا اس کے ایک حصے کا اعتکاف، آغاز نزول قرآن کے وقت کے اعتکاف نبویؐ کی یاد تازہ کرتا ہے جبکہ پورے رمضان، تراویح میں قرآن کی تلاوت اور دوسرے لمحات میں قرآن سے خصوصی شغف، امت کے اصل مشن اور اس کی حقیقی ذمہ داری کے احساس کو بیدار کرنے کا کام انجام دیتے ہیں۔ اس مبارک مہینے میں گویا نزول قرآن کی تمام کیفیات اور اس کے تمام آداب کا، ایک بار پھر، احساس اور شعور کی دنیا میں اعادہ کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ آنکھ ہو جو اس ایمان افروز کیفیت کو دیکھے، اور وہ دل ہو جو اسے محسوس کرے۔ یہ مہینہ دراصل قرآن کا مہینہ ہے اور اس کی یہی صفت ہے جسے خود زمین و آسمان کے مالک اور اس کتاب مقدس کے نازل کرنے والے نے نمایاں فرمایا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرہ ۲: ۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔

اس تاریخی حقیقت کے اظہار کے ساتھ خود روزے کا ابدی مقصد بھی یہ قرار دیا:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ (البقرہ ۲: ۱۸۵)

اور جس ہدایت سے اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو۔

ایک اور پہلو سے غور کیا جائے تو قرآن اور روزے کے تعلق پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ قرآن نے اپنے سے استفادے کی سب سے پہلی شرط تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ قرآن کے فہم اور اس کے برکات و فیوض کا دروازہ جس کنجی سے کھلتا ہے وہ صفت تقویٰ ہے اور جن چیزوں کو حصول تقویٰ کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، ان میں سرفہرست روزہ ہے۔ روزے کی اولین حکمت یہی بیان کی گئی ہے کہ اس کے ذریعے اہل ایمان متقی اور پرہیزگار بن سکیں (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ)۔

اس بات کو ذرا دوسرے طریقے پر ادا کیا جائے تو ہم یوں کہتے ہیں کہ قرآن تک رسائی کے بھی چند آداب ہیں اور ان میں دو چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک، جسمانی اور دوسری، اخلاقی اور روحانی۔ ہم قرآن کو اس وقت تک چھو بھی نہیں سکتے جب تک جسمانی طور پر پاک نہ ہوں۔ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ (الواقعۃ ۵۶: ۷۹) "جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا"۔ اور اس پاکی کے معنی یہ ہیں کہ نجاست کی حالت نہ ہو اور وضو یا غسل کے ذریعے طہارت جسمانی حاصل کر لی ہو۔ اگر جسمانی طہارت کے بغیر قرآن کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا تو قرآن کی روح، اس کے پیغام، اس کے احکام کے فہم اور اس کے فیوض و برکات سے اس وقت تک استفادہ ممکن نہیں ہے جب تک روح، تقویٰ کی کیفیت سے آشنا نہ ہو۔ جس طرح وضو اور غسل، جسمانی طہارت کا سامان فراہم کرتے ہیں، اسی طرح روزہ، روح اور اخلاق کو تقویٰ کی نعمت سے مالا مال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ باب القرآن ہے اور رمضان شہر القرآن۔

رمضان کا قرآن سے یہ تعلق فطری طور پر ایک اور حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا مظہر نبیؐ کا وہ عمل ہے جس پر اعتکاف، روزہ اور عبادت منتج ہوتے ہیں، یعنی اللہ کے پیغام کو

انسانیت تک پہنچانا اور دین حق کو قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد میں جان کی بازی لگا دینا۔

قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس ہدایت کا نام ہے جو اس نے اپنے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی مکمل شکل میں نازل فرمائی اور جو انسانیت کے لیے دستور حیات ہے۔ قرآن وہ کتاب ہے جس نے حق و باطل کو ایک دوسرے سے بالکل ممیز و ممتاز کر دیا ہے۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ ۲: ۲۵۶) "صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے"۔ جس نے ماضی کی تمام گمراہیوں کا پردہ بھی چاک کر دیا اور مستقبل کے تمام فتنوں کے رنگ و روپ کو بھی بالکل واضح کر دیا، جس نے اپنے دامن میں اس تمام ہدایت کو سمیٹ لیا جو اس سے پہلے نازل کی گئی۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ ۵: ۴۸) "اے نبیؐ، ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے"۔ جس نے اس تمام رہنمائی کو پیش کر دیا جو مستقبل میں انسان کو درکار ہے اور جس میں اس کے تمام دکھوں کا مداوا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (یونس ۱۰: ۵۷) "لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آ گئی! یہ دل کے تمام امراض کے لیے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے ان تمام لوگوں کے لیے جو اسے مانیں"۔

قرآن دنیا کی سب سے بڑی انقلابی کتاب ہے۔ یہ فرد کی زندگی میں بھی انقلاب برپا کرتی ہے اور انسانی تاریخ کے لیے بھی ایک نئے دور کی پیامبر ہے۔ نزول قرآن کی تاریخ سے دنیا ایک نئے اور اپنے آخری دور میں داخل ہوئی اور اس دن سے آج تک وہ قرآنی دور سے گزر رہی ہے۔

اس حیثیت سے یہ دن تاریخ کے سب سے بڑے تہذیبی اور سیاسی انقلاب کا دن ہے۔ اور رمضان اسی قافلہ انقلاب کے لیے بانگ درا کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ بات کچھ کم اہم نہیں ہے کہ روزے کی فرضیت اور اس کے لیے رمضان کے مہینے کے تعین کا واقعہ مکہ کے دور مظلومیت میں نہیں، مدینہ کے دور تشرو استحکام میں ہوا۔ اسی سال بدر کے میدانوں میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ خدا کی زمین پر اب خدا کی بندگی کرنے والوں کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو گا اور رب کی بندگی ترقی پسند انسانیت کا شعار بنے گی۔

قرآن نے انسانی زندگی میں جو اخلاقی، روحانی، سیاسی اور تمدنی انقلاب برپا کیا ہے اور جو ہمہ گیر تبدیلی ابھی اس کے ذریعے آنی ہے، ان سب کا روزہ اور رمضان سے گہرا تعلق ہے۔ رمضان ہر سال یہ تذکیر کرتا ہے کہ قرآن کے ماننے والے قرآن کے مشن کا کہاں تک حق ادا کر رہے ہیں اور قرآن زندگی میں جو تبدیلی رونما کرنا چاہتا ہے اسے بروئے کار لانے کے لیے کیا جدوجہد کر رہے ہیں۔ قرآن محض اذکار و اوراد کی کتاب نہیں ہے۔ یہ تو کتاب ہدایت ہے، میزان حق و باطل ہے، فرقان خیر و شر ہے، قانون حیات ہے، صحیفہ اخلاق

ہے' اساس تہذیب و تمدن ہے' مکمل دستور زندگی ہے اور واحد ذریعہ نجات ہے۔ اگر رمضان کا مرکزی تصور قرآن ہے تو پھر رمضان محاسبے کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں قرآن اور اس کے پیغام سے وفاداری کی کیفیت کا جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔

قرآن اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ اسے ریشم کے غلافوں میں سجا کر اونچے مقامات پر رکھ دیا جائے۔ وہ اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ انسانوں کی زندگیاں اس کے مطابق تبدیل ہوں اور انسانیت اس کی روشنی میں سفرحیات طے کرے۔ اس کے لائے ہوئے اصول اخلاق' اس کی دی ہوئی معاشرتی اقدار' اس کے وضع کردہ سیاسی قوانین' اس کے عطا کردہ معاشی تصورات نافذ اور قائم ہوں اور زندگی کا پورا نظام اس کی ہدایت کے مطابق منظم و مرتب ہو۔ قرن اول کے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں قرآن کو حکمرانی کا یہی مقام دیا تھا اور اسی کے نتیجے میں وہ دنیا کے حکمران بنے تھے۔ آج بھی رمضان جس امر کی یاد دہانی کراتا ہے وہ یہی ہے کہ کیا ہم قرآن کو اس کا یہ اصل مقام دینے کو تیار ہیں' ہر ہر فرد بھی' ملت اسلامیہ بھی اور پوری انسانیت بھی؟

نزول قرآن کا جشن مناتے وقت یہی وہ کانٹے کی بات ہے جسے ہر کلمہ گو کو اپنے دل سے اور ہر مسلمان قوم کو اپنے اجتماعی ضمیر سے پوچھنا چاہیے۔ ہمارے مستقبل کا انحصار' اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اسی سوال کے صحیح جواب پر ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے' ہم اپنے دل کی بات کو امام مالکؒ کے ایک جملے میں اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ اس امت کے آخر کی اصلاح بھی اسی سے ہو سکتی ہے جس سے اس کے اول کی اصلاح ہوئی تھی۔ یعنی قرآن!

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (الانعام ۶: ۱۵۵)

اور یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے' ایک برکت والی کتاب۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

خلق اور اعادہ خلق

بجائے خود تخلیق ہی کو دیکھیے۔ انسان کا علم آج تک یہ راز نہیں پا سکا ہے کہ زندگی کیسے اور کہاں سے آتی ہے؟ اس وقت تک مسلّم سائنٹفک حقیقت یہی ہے کہ بے جان مادے کی محض ترکیب سے خود بخود جان پیدا نہیں ہو سکتی۔ حیات کی پیدائش کے لیے جتنے عوامل درکار ہیں ان سب کا ٹھیک تناسب کے ساتھ بالکل اتفاقاً جمع ہو کر زندگی کا آپ سے آپ وجود میں آ جانا دہریوں کا ایک غیر علمی مفروضہ تو ضرور ہے، لیکن اگر ریاضی کے قانون بخت و اتفاق (Law of Chance) کو اس پر منطبق کیا جائے تو اس کے وقوع کا امکان صفر سے زیادہ نہیں نکلتا۔ اب تک تجربی طریقے پر سائنس کے معملوں (laboratories) میں بے جان مادے سے جان دار مادہ پیدا کرنے کی جتنی کوششیں بھی کی گئی ہیں، تمام ممکن تدابیر استعمال کرنے کے باوجود وہ سب قطعی ناکام ہو چکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو چیز پیدا کی جا سکی ہے وہ صرف وہ مادہ ہے جسے اصطلاح میں (D.N.A) کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مادہ ہے جو زندہ خلیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ جوہر حیات تو ضرور ہے مگر خود جان دار نہیں ہے۔ زندگی اب بھی بجائے خود ایک معجزہ ہی ہے جس کی کوئی علمی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکی ہے کہ یہ ایک خالق کے امر و ارادہ اور منصوبے کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد آگے دیکھیے۔ زندگی محض ایک مجرد صورت میں نہیں بلکہ بے شمار متنوع صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت تک روئے زمین پر حیوانات کی تقریباً ۱۰ لاکھ اور نباتات کی تقریباً ۲ لاکھ انواع کا پتا چلا ہے۔ یہ لکھوکھا انواع اپنی ساخت اور نوعی خصوصیات میں ایک دوسرے سے ایسا واضح اور قطعی امتیاز رکھتی ہیں، اور قدیم ترین معلوم زمانے سے اپنی اپنی صورت نوعیہ کو اس طرح مسلسل برقرار رکھتی چلی آ رہی ہیں کہ ایک خدا کے تخلیقی منصوبے (design) کے سوا زندگی کے اس عظیم تنوع کی کوئی اور معقول توجیہ کر دینا کسی ڈارون کے بس کی بات نہیں ہے۔ آج تک کہیں بھی دو نوعوں کے درمیان کی کوئی ایک کڑی بھی نہیں مل سکی ہے جو ایک نوع کی ساخت اور خصوصیات کا ڈھانچہ توڑ کر نکل آئی ہو اور ابھی دوسری نوع کی ساخت اور خصوصیات تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہو۔ متحجرات (fossils) کا پورا ریکارڈ اس کی نظیر سے خالی ہے اور موجودہ حیوانات میں بھی یہ خنثیٰ مشکل کہیں نہیں ملا ہے۔ آج تک کسی نوع کا جو فرد بھی ملا ہے، اپنی پوری صورت نوعیہ کے ساتھ ہی ملا ہے، اور ہر وہ افسانہ جو کسی مفقود کڑی کے بہم پہنچ جانے کا وقتاً فوقتاً سنا دیا جاتا ہے، تھوڑی مدت بعد حقائق اس کی ساری پھونک نکال دیتے ہیں۔ اس وقت تک یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل اٹل ہے کہ ایک صانع حکیم، ایک خالق الباری المصور ہی نے زندگی کو یہ لاکھوں متنوع صورتیں عطا کی ہیں۔

یہ تو ہے ابتدائے خلق کا معاملہ۔ اب ذرا اعادہ خلق پر غور کیجیے۔ خالق نے ہر نوع حیوانی اور نباتی کی

ساخت و ترکیب میں وہ حیرت انگیز نظام العمل (mechanism) رکھ دیا ہے جو اس کے بے شمار افراد میں سے بے حد و حساب نسل ٹھیک اسی کی صورت نوعیہ اور مزاج و خصوصیات کے ساتھ نکالتا چلا جاتا ہے اور کبھی بھولوں بھی ان کروڑہا کروڑ چھوٹے چھوٹے کارخانوں میں یہ بھول چوک نہیں ہوتی کہ ایک نوع کا کوئی کارخانہ تناسل کسی دوسری نوع کا ایک نمونہ نکال کر پھینک دے۔ جدید علم تناسل (genetics) کے مشاہدات اس معاملے میں حیرت انگیز حقائق پیش کرتے ہیں۔ ہر پودے میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ اپنی نوع کا سلسلہ آگے کی نسلوں تک جاری رکھنے کا ایسا مکمل انتظام کرے جس سے آنے والی نسل اس کی نوع کی تمام امتیازی خصوصیات کی حامل ہو اور اس کا ہر فرد دوسری تمام انواع کے افراد سے اپنی صورت نوعیہ میں ممیز ہو۔ یہ بقائے نوع اور تناسل کا سامان ہر پودے کے ایک خلیے (cell) کے ایک حصے میں ہوتا ہے جسے بمشکل انتہائی طاقت ور خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ چھوٹا سا انجینیر پوری صحت کے ساتھ پودے کے سارے نشوونما کو حتماً اسی راستے پر ڈالتا ہے جو اس کی اپنی صورت نوعیہ کا راستہ ہے۔ اسی کی بدولت گیہوں کے ایک دانے سے آج تک جتنے پودے بھی دنیا میں کہیں پیدا ہوئے ہیں انھوں نے گیہوں ہی پیدا کیا ہے، کسی آب و ہوا اور کسی ماحول میں یہ حادثہ کبھی رونما نہیں ہوا کہ دانہ گندم کی نسل سے کوئی ایک ہی دانہ جو پیدا ہو جاتا۔ ایسا ہی معاملہ حیوانات اور انسان کا بھی ہے کہ ان میں سے کسی کی تخلیق بھی بس ایک دفعہ ہو کر نہیں رہ گئی ہے بلکہ ناقابل تصور وسیع پیمانے پر ہر طرف اعادہ خلق کا ایک عظیم کارخانہ چل رہا ہے جو ہر نوع کے افراد سے پیہم اسی نوع کے بے شمار افراد وجود میں لاتا چلا جا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص توالد و تناسل کے اس خوردبینی تخم کو دیکھے جو تمام نوعی امتیازات اور موروثی خصوصیات کو اپنے ذرا سے وجود کے بھی محض ایک حصے میں لیے ہوئے ہوتا ہے اور پھر انتہائی نازک اور پیچیدہ عضوی نظام اور بے انتہا لطیف و پرپیچ عملیات (progresses) کو دیکھے جن کی مدد سے ہر نوع کے ہر فرد کا تخم تناسل اسی نوع کا فرد وجود میں لاتا ہے، تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ایسا نازک اور پیچیدہ نظام العمل کبھی خود بخود بن سکتا ہے اور پھر مختلف انواع کے اربوں ملین افراد میں آپ سے آپ ٹھیک چلتا بھی رہ سکتا ہے۔ یہ چیز نہ صرف اپنی ابتدا کے لیے ایک صانع حکیم چاہتی ہے، بلکہ ہر آن اپنے درست طریقے پر چلتے رہنے کے لیے بھی ایک ناظم و مدبر اور ایک حی و قیوم کی طالب ہے جو ایک لحظہ کے لیے بھی ان کارخانوں کی نگرانی و رہنمائی سے غافل نہ ہو۔

یہ حقائق ایک دہریے کے انکار خدا کی بھی اسی طرح جڑ کاٹ دیتے ہیں جس طرح ایک مشرک کے شرک کی۔ کون احمق یہ گمان کر سکتا ہے کہ خدائی کے اس کام میں کوئی فرشتہ یا جن یا نبی یا ولی ذرہ برابر بھی کوئی حصہ رکھتا ہے۔ اور کون صاحب عقل آدمی تعصب سے پاک ہو کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ خلق و اعادہ خلق اس کمال حکمت و نظم کے ساتھ اتفاقاً شروع ہوا اور آپ سے آپ چلے جا رہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۵۹۳ - ۵۹۵)

معاصر اسلامی تحریکات کا نظامِ تربیت و تزکیہ

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی

اسلامی تحریک اور دوسری تحریکات میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ معاصر تحریکات میں تربیت اور ٹریننگ، اس کے وسائل و ذرائع اور خطوط و نقوش کے تعین میں جواز اور عدم جواز کی بحث کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ ان کی نگاہ مقصد اور ہدف پر جمی رہتی ہے۔ اور تربیت اور وسائل تربیت کو ضمنی شے قرار دے کر ان کے لیے اخلاقی و غیر اخلاقی، جائز و ناجائز، قانونی و غیر قانونی اور مفید انسانیت و خلاف انسانیت تمام طریقوں، منہاجیات اور نظاموں کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ مگر اسلامی تحریک کی نگاہ میں وسیلہ بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ہدف۔ ذریعہ بھی اسی قدر پاکیزہ، اخلاقی، قانونی اور انسانیت نواز ہونا چاہیے جتنا نصب العین مقدس اور پاکیزہ ہے۔

اسلامی تحریک کی کامیابی کے لیے ناگزیر ہے کہ اس کا نظم بڑا ٹھوس اور اس کی منصوبہ بندی ہر طرح سے جامع اور مکمل ہو اور دوسری طرف اس کے کارکنوں کی اعلیٰ فکری و اخلاقی تربیت کی بھرپور ضمانت حاصل ہو۔ اگر یہ دونوں اوصاف موجود ہوں تو حالات کے تھپیڑے، شدائد و مظالم کے طوفان اور ترغیب و ترہیب کے تمام ہتھکنڈے اسے منزل سے دور نہیں کرسکتے بلکہ یہ تمام آزمایشیں اسے کندن کی طرح کھرا بنا دیتی ہیں اور کامیاب اور سرخ رو کر کے لیلیٰ منزل سے ہم آغوش کرتی ہیں۔ تحریک اسلامی پاکستان کے ایک اہم کارکن اور مایہ ناز عالم و داعی خلیل احمد حامدی (۱۹۲۹-۱۹۹۴) نے مضبوط نظم اور مستحکم منصوبہ بندی کی مثال اس ستھری مشینری سے دی ہے جو اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لا کر اعلیٰ سے اعلیٰ مصنوعات تیار کر کے ناظرین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ انھوں نے تربیت کو اس برقی رو کے مشابہ قرار دیا ہے جس کے بل بوتے پر مشینری اپنے یہ تمام معجزات دکھاتی ہے۔ (تحریک اور کارکن، ص ۳، اشاعت ۱۹۷۹)

الاخوان المسلمون مصر کے شیخ البہی الخولی نے داعیان دین کے لیے تین قسم کے عقلی، روحانی اور نفسی ذخائر کو لازمی قرار دیا ہے:

۱- حقیقت پسندانہ عقلیت (العقلیۃ الواقعیۃ) جو محض نظریاتی نہ ہو بلکہ عملی اور حسی ہو۔

۲- معاشرتی روحانیت (الروحیة الاجتماعیة)

۳- ایجابی فطرت جو سلبی نہ ہو بلکہ اقدام و عمل پر آمادہ رہتی ہو۔ (البہی الخولی' تذکرة الدعا' ترجمہ عبیداللہ فہد فلاحی' ص ۶۸' طبع بیروت ۱۹۸۳)

فاضل مصنف نے معاشرتی روحانیت کی مثال برق آفریں مشین (dynamo) سے دی ہے جو جذبے کی قوت اور باطن کی طاقت کی بجلی پیدا کرتی ہے اور داعی کی فکری و نظری اور تحریری و تقریری صلاحیتوں اور عملی اقدامات کو مشین کے دوسرے آلات کے مماثل قرار دیا ہے جو اس لیے حرکت کرتے ہیں کہ ان جاری و ساری طاقتوں کو فکر و نظر' تحریر و تقریر اور کردار و عمل کے ذریعے سے واضح کر سکیں۔ اگر داعیان دین اس معاشرتی روحانیت سے خالی ہوں تو ان کی زندگی اس ڈائے نمو ہی سے خالی ہو جائے گی اور ان کا اندرون تباہ و ویران ہو جائے گا جس میں حرکت یا اشارہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہے گی۔ اور اس محرومی و بے مائیگی کے باوجود اگر وہ دعوت دین کے فریضے میں دلچسپی دکھا رہے ہیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ وہ انانیت پسند ہیں' زبردستی دعوت کا کام کر رہے ہیں حالانکہ دعوت الی اللہ کے مقصد سے انھیں لگاؤ نہیں ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (الانفال ۸ : ۲۹)' "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمھارے لیے فرقان بہم پہنچا دے گا اور تمھاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا اور تمھارے قصور معاف کر دے گا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے"۔ اس آیت میں فرقان کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کا مطلب شیخ البہی الخولی نے الہام شدہ روح بیان کیا ہے جس کی تشبیہ انھوں نے ڈائے نمو سے دی ہے۔ (تذکرة الدعا' ص ۳۴۹-۳۵۰)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ معاصر اسلامی تحریکوں نے تربیت' تزکیہ اور معاشرتی روحانیت پر کافی زور دیا ہے اور انھوں نے اپنے اپنے حالات و ضروریات کے تحت اس کا جامع خاکہ اور فکری و عملی نظام بھی مرتب کیا ہے مگر تجربات و حوادث اس حقیقت کو واضح تر کرتے جا رہے ہیں کہ تربیت و تزکیہ سے ادنیٰ لاپرواہی' ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن رہی ہے۔ عالم اسلام میں جاری اسلامی مزاحمت اور احیا کی مختلف تنظیمیں اور تحریکیں اس حقیقت کا مظہر ہیں کہ تربیت کے نقص نے عالمی تحریک اسلامی کو منزل سے دور کر دیا ہے اور مختلف ملکوں میں یہ تکلیف دہ منظر دیکھنے میں آ رہا ہے کہ

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ را ہم دور شد

خاکسار کی نظر میں یہ تربیت کے نقص ہی کا نتیجہ ہے کہ افغانستان میں روس جیسی عالمی طاقت کو

زبردست شکست دینے اور فتح مبین سے ہم کنار ہونے کے بعد وہاں کی اسلامی قوتیں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو گئیں اور پورا ملک ان کے باہم دست و گریباں ہونے کی وجہ سے کھنڈر میں تبدیل ہو گیا ہے۔ تربیت کی کمی کے علاوہ اس المناک منظر کی کیا توجیہ کی جائے کہ اخوان المسلمون کے تصور اسلام سے متاثر ہو کر اور اس کے لٹریچر سے استفادہ کر کے ہی شکری احمد مصطفیٰ (۱۹۴۲-۱۹۷۸) نے جماعۃ المسلمین (جو مصری اخبارات میں جماعة التكفير والهجرة کے نام سے معروف ہوئی) کی بنیاد رکھی، موجودہ مسلم معاشرے کو جاہلی معاشرہ قرار دے کر وہاں سے ہجرت کر جانے کو واجب قرار دیا اور مخالفین کا قتل عام کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ مصری خفیہ ایجنسی کے ایجنٹ بن کر اس کے کارکنوں نے اخوانیوں کو بھی قتل کیا۔[۲] کیا یہ تربیت کا نقص نہ تھا کہ ترکی کے مرد مجاہد شیخ بدیع الزماں سعید نورسی (۱۸۷۰-۱۹۶۰) کے انتقال کے بعد ان کے پیروؤں نے ملی سلامت پارٹی اور اس کے رہنما پروفیسر نجم الدین اربکان کی مخالفت شروع کی، قومی انتخابات میں مذہب دشمن سیاسی جماعت جسٹس پارٹی کے حق میں ووٹ دیے، سلامت پارٹی کو شکست سے دوچار کرنے کے لیے اس کے قائد کے خلاف بے بنیاد اور جھوٹے بیانات دیے اور اسے بدنام کرنے کے لیے تمام اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے۔[۳]

تربیتی ادبیات

یہ بات باعث اطمینان ہے کہ اب عالم اسلام کی تمام تحریکوں نے پچھلے تجربات کی روشنی میں تربیت و تزکیے کے تمام پہلوؤں پر کافی توجہ دی ہے اور مربوط اور منظم حکمت عملی کے تحت اور نئے جوش و ولولے کے ساتھ تربیتی کارگاہیں منعقد ہو رہی ہیں، انفرادی تزکیے پر زور دیا جا رہا ہے، اور اجتماعی صالح قیادت بروے کار لانے کے لیے منصوبہ بندی ہونے لگی ہے۔ عربی، اردو، انگریزی اور دوسری مقامی و بین الاقوامی زبانوں میں تربیتی کتب لکھی جا رہی ہیں۔ ایک زبان سے دوسری زبانوں میں تراجم کے سلسلے شروع ہو گئے ہیں اور اس وقت تزکیہ و تربیت کے موضوع پر کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر الاخوان المسلمون کی تربیتی ادبیات میں مندرجہ ذیل کتابیں بڑی اہم ہیں:

○ رسالة التعاليم، شیخ حسن البنا (ان رسائل کے رواں ترجمے مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی نے مجاہد کی اذان کے نام سے کیے ہیں) ○ تذكرة الدعاة، البہی الخولی، اردو ترجمہ: تحریک اور دعوت، مترجم عبیداللہ فہد فلاحی ○ اصول الدعوة، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان (عراق) ○ جند الله ثقافةً و اخلاقاً، پروفیسر سعید حوی ○ فی آفاق التعاليم، پروفیسر سعید حوی، اردو ترجمہ: اخوان المسلمون: مقصد، مراحل، طریقہ کار، مترجم عبیداللہ فہد فلاحی ○ مشكلات الدعوة والداعية، استاد فتحی یکن، اردو ترجمہ: تحریک اسلامی: مشکلات، مسائل، آزمایشیں، مترجم عبیداللہ فہد فلاحی ○ فی ظلال الدعوة، سید قطبؒ ○ ثقافة الداعية،

ڈاکٹر یوسف القرضاوی' اردو ترجمہ: فکری تربیت کے اہم تقاضے اور دعوت دین کے علمی تقاضے' مترجم مولانا سلطان احمد اصلاحی ○ مدرسۃ حسن البنا' ڈاکٹر یوسف القرضاوی' اردو ترجمہ: اخوان المسلمون کا تربیتی نظام' مترجم عبیداللہ فہد فلاحی ○ خلق المسلم' شیخ محمد الغزالی' اردو ترجمہ: اسلامی کردار' مترجم عبیداللہ فہد فلاحی ○ قبسات من الرسول' استاذ محمد قطب' اردو ترجمہ: روشنی کی لکیریں' مترجم ابو مسعود اظہر ندوی ○ دلیل التدریب القیادی' یہ اخوانی فکر کے علم بردار ڈاکٹر ہشام یحییٰ الطالب کی تصنیف ہے' انگریزی میں: Training Guide for Islamic Workers اور اردو میں: رہنمائے تربیت مترجم شاہ محی الحق فاروقی' شائع کردہ: عالمی ادارہ فکر اسلامی اسلام آباد ○ کیف ندعوا؟' عبدالبدیع صقر' اردو ترجمہ: ہم دعوت کا کام کیسے کریں؟ مترجم جاوید احسن فلاحی ○ کیف ندعوا الی الاسلام' فتحی یکن' ترجمہ: دعوت و تبلیغ کے رہنما اصول' مترجم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی ○ مناہج التربیۃ الاسلامیۃ' محمد قطب' اردو ترجمہ: اسلام کا نظام تربیت' مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی ○ السیرۃ النبویۃ دروس و عبر' ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی' اردو ترجمہ: سیرت نبویؐ عبرت و نصیحت کا لازوال خزانہ' مترجم مزمل حسین فلاحی ○ فقہ السیرۃ' شیخ محمد الغزالی۔ اس کا اردو ترجمہ خاکسار کے قلم سے زیر طبع ہے۔

پاکستان اور بھارت میں جماعت اسلامی نے تربیت و تزکیہ کے موضوع پر جو کتابیں تیار کی ہیں اور جن کا ارکان جماعت و کارکنان تحریک اسلامی کی زندگیوں پر گہرا اثر مرتب ہوا ہے' ان میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں کی زبان عام فہم اور اسلوب دل نشین ہے اور یہ زیادہ تر عملی تربیت سے بحث کرتی ہیں۔

○ تحریک اور کارکن' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' انتخاب و ترتیب: خلیل احمد حامدی۔ یہ دراصل ان تقریروں اور تحریروں کا مجموعہ ہے جو مختلف مواقع پر اور مختلف مراحل میں قائد تحریک نے کارکنوں اور ارکان کے سامنے کی تھیں۔ اس کا عربی میں ترجمہ: تذکرۃ دعاۃ الاسلام کے نام سے بیروت سے شائع ہوا اور پھر ترکی اور دیگر زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ ○ تعمیر سیرت کے لوازم' نعیم صدیقی ○ تزکیہ نفس' مولانا امین احسن اصلاحی ○ اسلام آپ سے کیا چاہتا ہے' مولانا سید حامد علی ○ اپنی اصلاح آپ' نعیم صدیقی ○ اسلام - ایک نظام تربیت' مولانا انعام الرحمٰن خاں ○ تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات' خرم مراد۔ ○ آداب زندگی' محمد یوسف اصلاحی ○ تزکیہ نفس اور ہم' مولانا محمد فاروق خاں ○ کلام نبوت' مولانا محمد فاروق خاں' دو جلدیں (احادیث کا انتخاب اور ان کی عام فہم تشریح) ○ زاد راہ' مولانا جلیل احسن ندوی (منتخب احادیث کی تربیتی تفہیم) ○ نماز اور اس کے اذکار' مولانا سید حامد علی ○ چند تصویریں سیرت کے البم سے' خرم مراد ○ ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟ مولانا سید جلال الدین عمری ○ اساس دین کی تعمیر' مولانا صدرالدین اصلاحی ○ انتخاب حدیث' مولانا

عبدالغفار حسن رحمانی (احادیث کی آسان توضیح) ○ راہ عمل، مولانا جلیل احسن ندوی (احادیث کا انتخاب اور ان کی موثر تشریح) ○ محسن انسانیت، نعیم صدیقی، (سیرت رسولؐ کی انقلابی تفہیم) ○ سیرت طیبہ، ابو سلیم محمد عبدالحیؒ، (عوام کے لیے سیرت رسولؐ کی آسان اور مختصر ترین کتاب)۔

فرد- تربیت کا محور و مرکز

اسلامی تحریکات نے تربیت و تزکیے کا جو پروگرام بنایا اس میں فرد کو بنیادی اہمیت دی گئی کیونکہ اسلامی شریعت کا خطاب فرد سے سب سے پہلے ہے۔ جزا و سزا کا سارا فلسفہ فرد ہی کے گرد گھومتا ہے۔ احکام و قوانین فرد کو پہلے مخاطب بناتے ہیں، جواب دہی اور ذمہ داری ہر فرد پر بحیثیت فرد کے ہے۔ اور افراد کی اصلاح و تزکیہ ہی کے ذریعے صالح اجتماعیت وجود میں آسکتی ہے۔ اسی لیے مولانا مودودیؒ نے ۱۱ر نومبر ۱۹۵۱ کو جماعت اسلامی پاکستان کے اجتماع عام کراچی میں فرمایا تھا کہ:

> ہمارے پیش نظر ابتدا سے یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام محض کاغذی، نقشوں اور زبانی دعووں کے بل پر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے قیام اور نفاذ کا سارا انحصار اس پر ہے کہ آیا اس کی پشت پر تعمیری صلاحیتیں اور صالح انفرادی سیرتیں موجود ہیں یا نہیں۔ کاغذی نقشوں کی خامی تو اللہ کی توفیق سے علم اور تجربہ ہروقت رفع کر سکتا ہے لیکن صلاحیت اور صالحیت کا فقدان سرے سے کوئی عمارت اٹھا ہی نہیں سکتا اور اٹھا بھی لے تو سہار نہیں سکتا۔ (تحریک اور کارکن، ص ۱۱۰)

الجزائر میں اسلامی احیا اور مزاحمت کے بانی امام عبدالحمید بن بادیسؒ (۱۸۸۹-۱۹۴۰) نے اصلاح و تربیت پر اتنا زور دیا اور اپنی تمام سرگرمیوں میں اس پر اتنی توجہ صرف کی کہ ان کی تحریک جمعیۃ العلما المسلمین (سن تاسیس ۵ر مئی ۱۹۳۱) کو خالص تربیتی و اصلاحی جمعیت سمجھ لیا گیا اور ملک کے سیاسی و سماجی اور معاشی مسائل سے آنکھیں بند رکھنے کا الزام اس پر عائد کیا گیا۔ الجزائر کی ۱۳۲ سالہ غلامی (۱۸۳۲-۱۹۶۲) اور فرانسیسی استبداد اور پورے ملک کے عربی و اسلامی تشخص کو ختم کر کے اس پر فرانسیسی تہذیب و ثقافت کو مسلط کرنے کی ظالمانہ مکروہ سازش کے باوصف امام، ملک کی نجات کے لیے جو طریق کار اختیار کرتے ہیں وہ اخلاقی اصلاح، عقائدی تطہیر اور تعمیر سیرت پر مرتکز ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> پختہ اور مکمل تربیت ہی صحیح عقیدے اور بلند اخلاق کی ضامن ہے۔ جزائری سوسائٹی کو فرانسیسی سامراج نے ذلت و پستی کے جس قعر مذلت میں گرا دیا ہے اسے تربیت کے ذریعے ہی دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہم دوسرے اسلامی ملکوں میں دیکھتے ہیں کہ مسلم معاشرے کے اندر حرارت و زندگی اور اسلامی روایات سے تعلق تربیت ہی کے ذریعے پیدا ہوا ہے۔[۴]

امام اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

نفس کی اصلاح صحیح عقائد اور بلند اخلاق ہی کے ذریعے ممکن ہے اور یہ دونوں چیزیں علم کی پایداری اور نیت کی درستی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ جب دل کی اصلاح ہو جائے گی تو پورا جسم درست ہو جائے گا اور تمام اعضا و جوارح اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور سے انجام دینے لگیں گے لیکن اگر نفس عقیدہ، اخلاق، علم اور نیت کے اعتبار سے درست نہ ہو تو پورا جسم فاسد ہو جائے گا اور اعضا و جوارح غلط کام کرنے لگیں گے۔ نفس کی اصلاح ہی درحقیقت فرد کی اصلاح ہے اور فرد کی اصلاح معاشرے کی اصلاح ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام شرعی احکام بالواسطہ اصلاح نفس پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت، عدل و انصاف اور خیر و احسان کے جو احکام دیے ہیں ان سب کا مقصود نفس کی اصلاح ہے اور اسی طرح اللہ نے ظلم و زیادتی، فتنہ و شر اور کذب و بہتان سے جو روکا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ساری برائیاں نفس کو فساد کی طرف لے جاتی ہیں۔[۵]

اسی لیے علامہ انور الجندی نے شیخ ابن بادیس کی مساعی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تبصرہ کیا کہ فوجی معرکہ آرائی سے الجزائری جیسی مفلس، بے تیغ و تفنگ اور پسماندہ قوم فرانسیسیوں کو شکست نہ دے سکتی تھی نہ اس ظالم سامراج کے مقابلے میں کوئی عسکری مزاحمت تادیر ٹک سکتی تھی۔ اس کے خلاف جہاد کا سب سے موثر طریقہ وہی تھا جو بن بادیس نے اختیار کیا تھا یعنی قوم کی اخلاقی و روحانی تربیت۔ (علامہ انور الجندی، **الفکر والثقافة فی شمال افریقیا**، ص ۵۴)۔

اوصاف تربیت

جماعت اسلامی نے فرد کے اخلاقی و روحانی تزکیے کے لیے جو نظام ترتیب دیا اس میں متصوفانہ اصطلاحات سے اجتناب کرتے ہوئے عام فہم اور آسان الفاظ میں فرد کے اخلاقی اوصاف و محاسن سے بحث کی۔[۶] مولانا مودودیؒ نے اسلامی تحریک کے کارکنوں کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ انفرادی حیثیت میں مندرجہ ذیل چار اوصاف کے فرداً فرداً مالک ہوں:

۱۔ اسلام کا صحیح فہم، ۲۔ اسلام پر پختہ ایمان، ۳۔ قول و عمل میں مطابقت، ۴۔ دین بحیثیت مقصد۔

کارکنان تحریک کے اندر چند اوصاف کی من حیث الجماعت موجودگی ناگزیر ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ اخوت و محبت، ۲۔ باہمی مشاورت، ۳۔ نظم و ضبط، ۴۔ تنقید بغرض اصلاح۔

تکمیلی اوصاف جو اصلاح و تعمیر کے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہیں، مولانا مودودیؒ کے نزدیک حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعلق باللہ اور خلوص، ۲۔ فکر آخرت، ۳۔ حسن سیرت، ۴۔ صبر و استقامت، ۵۔ حکمت۔

مولانا نے ان نقائص کی بھی نشان دہی کی ہے جن سے تحریک اسلامی کے کارکنوں کو مبرا ہونا لازم ہے۔

۱۔ کبر و غرور، ۲۔ نمود و نمایش، ۳۔ نیت کا کھوٹ۔

یہ وہ برائیاں ہیں جو ہر خیر اور بھلائی کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔ اس کے بعد مولانا مودودیؒ نے ان برائیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو اساس و بنیاد کو تو نہیں ڈھاتیں مگر اپنی تاثیر کے لحاظ سے جلد یا بدیر تباہ کن ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ نفسانیت، ۲۔ مزاج کی بے اعتدالی، ۳۔ تنگ دلی، ۴۔ ضعف ارادہ۔ (تحریک اور کارکن، ص ۱۸۱-۲۲۴)۔

الاخوان المسلمون کے بانی شیخ حسن البنا شہید (۱۹۰۶ - ۱۹۴۹) تحریک اسلامی کی تشکیل و تاسیس سے پہلے طریقہ حصافیہ سے منسلک تھے اور اوراد و وظائف اور اذکار کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ وہ تصوف اور متصوفین سے بیزار ہونے کے بجائے ان کے قدرداں اور معترف تھے اور انھیں اسلامی نظام کی تنفیذ کی جدوجہد میں شریک کرنے کے لیے برابر کوشاں رہتے تھے۔ انھوں نے فرد کی اصلاح و تزکیے کے لیے جو نظام وضع کیا تھا اس پر تصوف کے اثرات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بیعت کے دس ناگزیر اجزا پر زور دیا ہے جو دراصل اسلامی شخصیت کے عناصر ترکیبی ہیں۔

۱۔ فہم، ۲۔ اخلاص، ۳۔ عمل، ۴۔ جہاد، ۵۔ قربانی، ۶۔ اطاعت کیشی، ۷۔ ثابت قدمی، ۸۔ یکسوئی، ۹۔ بھائی چارہ، ۱۰۔ باہمی اعتماد۔ (پروفیسر سعید حویٰ، فی آفاق التعالیم، اردو ترجمہ: اخوان المسلمون، مقصد، مراحل، طریقہ کار، مترجم عبیداللہ فہد فلاحی)

ان دس ارکان بیعت کے بعد شیخ حسن البناؒ نے چالیس ایسے واجبات و فرائض بھی بتائے ہیں جو بیعت کے تقاضوں میں شامل ہیں:

۱۔ تلاوت قرآن، ۲۔ تدبر قرآن، ۳۔ مطالعہ تاریخ و سیرت، ۴۔ جسمانی صحت کا احترام، ۵۔ منشیات سے پرہیز حتیٰ کہ بیڑی، سگریٹ اور تمباکو نوشی سے بھی اجتناب، ۶۔ صفائی کا خیال، ۷۔ ہمیشہ سچ بولو، ۸۔ وفا کی پاسداری، ۹۔ شجاعت اور تحمل، ۱۰۔ باوقار بنو، ۱۱۔ باغیرت اور حساس بنو، ۱۲۔ عادل اور انصاف پرور بنو، ۱۳۔ خدمت خلق کو شعار بناؤ، ۱۴۔ نرم خو اور کریم النفس بنو، ۱۵۔ ٹھوس علم حاصل کرو، ۱۶۔ آزاد پیشہ اختیار کرو، ۱۷۔ سرکاری ملازمت کے پیچھے مت پڑو، ۱۸۔ اپنی ڈیوٹی خوش اسلوبی سے انجام دو، ۱۹۔ حقوق و فرائض میں چابک دست رہو، ۲۰۔ حرام کمائی سے دور رہو، ۲۱۔ سود کے قریب نہ جاؤ، ۲۲۔ بدیشی مال استعمال مت کرو، ۲۳۔ غریبوں کا خیال رکھو، ۲۴۔ آمدنی کا ایک حصہ بچاتے رہو، ۲۵۔ اسلامی اخلاق کا احیا کرو، ۲۶۔ غیر اسلامی عدالتوں کا بائیکاٹ کرو، ۲۷۔ رضائے الٰہی کو مقصود بناؤ، ۲۸۔ طہارت کا اہتمام کرو، ۲۹۔ نماز قائم کرو،

۳۰- روزہ و حج ادا کرو، ۳۱- جہاد کی تیاری کرو، ۳۲- اپنا احتساب کرو، ۳۳- نفس سے جہاد کرو، ۳۴- شراب سے اجتناب کرو، ۳۵- صحبت بد سے دور بھاگو، ۳۶- لہو و لعب سے جنگ کرو، ۳۷- باہم دوست بن جاؤ، ۳۸- اپنی فکر کے وفادار رہو، ۳۹- دعوت کو عام کرنے کی جدوجہد کرو، ۴۰- جماعت سے ہمیشہ وابستہ رہو۔ (ایضاً، ص ۲۴۵-۳۰۶)

نظام تربیت

عالمی اسلامی تحریکوں نے اپنے اپنے حالات و ظروف اور ضروریات و مقتضیات کے مطابق فرد کی اصلاح و تربیت کا جو نظام مرتب کیا وہ قرآن و سنت کی مشترکہ بنیادوں اور حالات و عوامل کے مختلف تقاضوں پر قائم ہے۔ اسی لیے ان نظام ہائے تربیت میں یک گونہ اختلاف نظر آتا ہے اور یہ بالکل فطری ہے۔ شیخ عزالدین القسام (۱۸۷۱-۱۹۳۶) نے فلسطین میں ۱۹۲۵ میں تنظیم الجہادیہ قائم کی تاکہ فلسطین کو آزاد کرا سکیں۔ یہ عسکری تنظیم مندرجہ ذیل اصولوں پر قائم ہوئی تھی:

۱- ارکان کے انتخاب میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا جائے۔ چنانچہ شیخ قسام نے اپنے چند دوستوں کا برسوں مطالعہ کرنے کے بعد آزادی کا خفیہ نصب العین ان پر افشا کیا تھا۔

۲- مکمل راز داری کی پالیسی، یہاں تک کہ تنظیم کے اراکین کے حقیقی نام خفیہ رکھے جاتے تھے اور انھیں ان کے تحریکی ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ ارکان عرصہ تک ایک دوسرے کو شناخت نہیں کر پاتے تھے۔ یہ راز داری کی انتہا تھی۔

۳- نظریہ اختصاص کی مکمل رعایت۔ حسب صلاحیت افراد کو ذمہ داریاں سونپی جاتی تھیں۔ شیخ قسام نے اس مقصد کے لیے سات شعبے قائم کر رکھے تھے۔ **تنظیم مجاہدین:** ہتھیار چلانے کی مشق بہم پہنچانا اس شعبے کا کام تھا۔ **گوریلا تربیت ٹیم:** صیہونی سازشوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا اور اس کا فوری تدارک کرنا اس شعبے کا کام تھا۔ **شعبہ مالیات:** چندہ کی وصولیاں اور ہتھیاروں کی خریداری اس کا کام تھا۔ **شعبہ ابلاغیات:** طلبہ، علما، اماموں اور تعلیم یافتہ طبقے کے اندر روح جہاد پھونکنا اس شعبے کی ذمہ داری تھی۔ **سیاسی شعبہ:** عالم عرب کی نامور شخصیات سے رابطہ قائم کرنا، عربوں کے درمیان اختلافات ختم کرانے کی کوشش کرنا اور دوسرے سیاسی مسائل نمٹانا اس شعبے کے فرائض میں شامل تھا۔ **شعبہ امور عامہ:** عوامی مظاہروں میں شرکت اور رفاہی کاموں میں دلچسپی اس کے فرائض میں شامل تھی۔ **شعبہ کفالت:** شہدا کے خاندانوں کی دیکھ بھال اور ان کے بچوں کی کفالت اس شعبے کی ذمہ داری تھی۔ (القیادة فی العمل الاسلامی، حوالہ بالا، ص ۱۰۲-۱۰۳)

۱۹۲۹ میں برطانوی فوج کی مدد سے یہودیوں نے مسجد اقصیٰ اور یروشلم پر غاصبانہ قبضے کی تدابیر اختیار کرنے کا عمل تیز تر کر دیا تو فلسطینیوں نے شدید مزاحمت کی۔ ایک ہفتے تک جھڑپیں ہوتی رہیں۔ چھ سو سے زائد شہری شہید اور زخمی ہوئے۔ اس عوامی جہاد کا آغاز ہوتے ہی تحریک کے بعض افراد نے جن میں ابو ابراہیم کبیر (خلیل محمد عیسیٰ) پیش پیش تھے' مطالبہ شروع کر دیا کہ اب اعلان بغاوت کا وقت آگیا ہے۔ مگر شیخ عزالدین القسام نے کسی عاجلانہ اقدام کی سخت مخالفت کی اور اپنی منصوبہ بندی اور حکمت عملی پر ہی کاربند رہنے کا حکم دیا:

> ابھی اعلان بغاوت کا وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی حالات کا باریکی سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور جس کسی کو اس سے اختلاف ہے تو اس کا راستہ الگ ہے اور ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب تک حالات مکمل طور پر سازگار نہ ہو جائیں اس وقت تک بغاوت کا اعلان ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاً' ص ۱۰۷)

چنانچہ کارکنوں کی جانب سے بار بار مطالبے اور اصرار کے باوجود ۱۹۳۳ سے پہلے اس طرح کے کسی عسکری اقدام کی اجازت نہ دی۔

پاکستان اور بھارت میں جماعت اسلامی نے فرد کی تربیت و تزکیے کا جو نظام ترتیب دیا' اس میں بنیادی اہمیت قرآن و حدیث کے براہ راست مطالعے کو حاصل رہی۔ مولانا مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن' مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر' تدبر قرآن اور سید قطبؒ کی تفسیر' فی ظلال القرآن کے اردو ترجمے نے کارکنوں کی تربیت پر زبردست اثرات مرتب کیے۔ ہفتہ وار درس قرآن' دعوتی اجتماع' حلقہ مطالعہ قرآن' ماہانہ تربیتی اجتماعات' احتسابی جائزے اور اجتماع ارکان نے تربیت و تزکیے اور تنقید و احتساب کے بھرپور مواقع فراہم کیے۔ سالانہ و ششماہی تربیت گاہوں' صوبائی اور مرکزی سطح کے ذمہ داران کے کیمپوں نے قائدانہ تربیت کے اصول سکھائے اور افہام و تفہیم' تنقید و احتساب' احترام فکر و نظر اور رواداری' باہمی مشاورت اور اجتماعیت کے آداب کی تعلیم دی۔

تربیت اور تہذیب نفس کے خارجی ذرائع میں جماعت اسلامی نے میدان عمل میں کارکنوں کی تربیت کو موثر قرار دیا۔ اس کا نظام تربیت خانقاہی نہیں بلکہ تحریکی ہے (سید اسعد گیلانی' تاریخ جماعت اسلامی' ۱۹۴۷ تا ۱۹۴۷' ص ۲۰۵)۔ وہ چند اوراد و وظائف کی تکرار یا ظاہری وضع قطع میں چند ترمیمات کو نظام تربیت میں جگہ نہیں دیتی بلکہ اصلاح معاشرہ کی جدوجہد کے لیے افراد تیار کرنے کا مقصد اس کے تربیتی نظام پر حاوی ہے۔ بگاڑ کے خلاف جدوجہد' مخالفین کی مخالفتیں برداشت کرنا' غلط فہمیوں کو رفع کرنا' زیادتیوں پر صبر کرنا' مزاحمتوں کو دور کرنا' الزامات کو برداشت کرنا' شبہات کا ازالہ کرنا' صبر اور نماز سے مدد لینا اور حکمت و تحمل کی خو پیدا کرنا' وہ اوصاف ہیں جو میدان عمل میں دعوت کا کام کرنے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ تبلیغی وفود کے

ذریعے منتخب علاقوں میں تبلیغ دین کرنا' کردار پر انگشت نمائی کے نتیجے میں احتساب نفس کرنا' خدمت خلق کے پروگراموں کے ذریعے ضبط نفس' انکسار و تواضع اور فروتنی کی صفات کو پروان چڑھانا' کارکنان دعوت اسلامی کی تعمیر سیرت کے موثر ذرائع ہیں۔

جماعت اسلامی نے معاشرے کو اپنے کارکنوں کی تعمیر سیرت اور تزکیہ نفس کے لیے بہترین تربیت گاہ قرار دیا (ایضاً' ص ۳۰۴)۔ جماعت نے تزکیے کا یہ طریقہ ایجاد کیا کہ دین کا کام کرتے ہوئے گالی تو کھائی جائے مگر کسی کو جواب میں گالی نہ دی جائے۔ جھوٹے الزامات لگیں تو جواب میں جھوٹا الزام نہ لگایا جائے۔ مفاد کا لالچ دیا جائے تو کارکن راہ حق پر ثابت قدم رہیں۔ نقصان ہو تو دل برداشتہ نہ ہوں۔ پھر ان تمام مواقع پر کھلم کھلا محاسبہ اور بے لاگ تنقید ہو تاکہ غلطیوں کی نشان دہی ممکن ہو سکے اور ان کی اصلاح کی جا سکے۔

بعض علما کرام اور مشائخ کی جانب سے جماعت اسلامی کے تربیتی نظام پر یہ اشکال وارد کیا گیا کہ اس میں انفرادی تعمیر و تکمیل پر زور نہیں ہے اور اسلام کے اجتماعی سیاسی نظام کے تصورات کے جلو میں تزکیے کا پہلو دب گیا ہے۔ اس کے جواب میں مولانا مودودیؒ نے وضاحت کی کہ جماعت اسلامی کے نزدیک اصل چیز فرد کی تکمیل ہی ہے۔ اجتماعی و سیاسی نظام بجائے خود مطلوب نہیں بلکہ فرد کی تکمیل میں معاون ہونے کی حیثیت سے ہی مطلوب ہے۔ پھر اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی کہ جماعت کے مصنفین' مفکرین اور علما کی تحریروں میں بلاشبہ اسلام کے اجتماعی و عمرانی پہلوؤں پر زور پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علما سلف نے عام طور سے اخلاق اور عبادات کے انفرادی پہلو ہی کو پیش کیا ہے اور اجتماعی اخلاقیات کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ اس خلا کو جماعت اسلامی نے پر کیا۔ مغرب کے اجتماعی نظام اور فلسفے اپنے لٹریچر اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس قوت سے دنیا میں پھیلے کہ انفرادی حیثیت میں صحیح العقیدہ مسلمان بھی اس سے متاثر ہونے لگے۔ چنانچہ اکابرین جماعت نے دین کی خدمت کا فوری تقاضا یہی باور کیا کہ جس پہلو سے اسلامی ادبیات کافی مال دار ہے اس میں اضافہ کرنے کے بجائے اس پہلو پر توجہ دی جائے جس میں اسلاف کی عطیات میں تشنگی محسوس ہوتی ہے اور یہی بزرگان سلف کا طریقہ کار تھا کہ انھوں نے اپنے دور میں جس فتنے کی شدت زیادہ محسوس کی اور جس پہلو پر انھیں نقص یا خلا کا احساس ہوا اسی کے تدارک پر انھوں نے اپنا زور صرف کیا (صدق لکھنؤ' یکم ستمبر ۱۹۴۱' مضمون: مولانا مودودیؒ اور ان کے عقائد و خیالات کی صحیح تعبیر)۔

جماعت اسلامی کے قیام کو آج پچپن برسوں سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔ اس دوران اسلام کے تمام پہلوؤں پر عظیم الشان لٹریچر تیار کیا گیا اور اس لٹریچر کے دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ یہ خدمات دور جدید کی تمام اسلامی تحریکوں پر فائق اور برتر ہیں اور اس پہلو سے جماعت اسلامی نہایت منفرد اور ممتاز نظر آتی ہے۔ مگر آج بھی انفرادی تربیت اور تزکیے کا پہلو اس کے نظام تربیت میں کسی قدر دھندلا نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس تبصرے میں زیادہ وزن محسوس نہ کیا جائے کیونکہ آزمائشوں میں اسی نظام تربیت سے فارغ

التفصیل کارکنان بڑی حد تک سرخرو پائے گئے اور ارکان و کارکنان کی ایک بڑی تعداد ثابت قدم اور مستقل مزاج ثابت ہوئی۔ ثبوت میں جماعت اسلامی مشرقی پاکستان کے کارکنوں کی قربانیوں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ انھی تربیت گاہوں سے تیار ہو کر نکلے تھے۔ اسی لٹریچر نے ان کو نشہ شہادت سے سرشار کیا تھا۔ "البدر" نے جو عہد وفا نبھایا اور جان دے کر بھی اسلام و ایمان کی جولاج رکھی اس پر جماعت اسلامی بجا طور پر یہ کہہ سکتی ہے کہ:

بہ مشتاقاں حدیث خواجہ بدر و حنین آورد   تصرف ہائے پنہانش بچشم آشکار آمد
دگر شاخ خلیل از خون ما نمناک می گردد   بہ بازار محبت نقد ما کامل عیار آمد

(غزوات بدر و حنین کے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات عاشقوں تک پہنچی۔ حضورؐ کے باطنی کمالات نظر میں صاف ظاہر ہو گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے نخل کی شاخ ہمارے لہو سے پھر سرسبز و شاداب ہو گئی اور بازار محبت میں ہماری پونجی بالکل کھری ثابت ہوئی)۔ (کلیات اقبال' ص ۲۲۵)

سلیم منصور خالد کی مشہور کتاب البدر کے مطابق ـــــ محمد عبدالمالک شہید جنھیں اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ کے حق میں مہم چلانے پر دن دہاڑے گولی مار دی گئی۔ مصطفیٰ شوکت عمران شہیدؒ جس کے ساتھ سید الشہدا حضرت حمزہؓ کا معاملہ روا رکھا گیا۔ محمد الیاسؒ جس کو ٹرک کے پیچھے باندھا گیا اور پھر ٹرک کو پوری رفتار سے چلا دیا گیا یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی۔ عطاء الرحمٰن شہید جس کی ایک ایک انگلی ہتھوڑے سے توڑی گئی' ہاتھ پاؤں کاٹے گئے' چہرے کو نوچا گیا۔ عبدالحق بیوپاری شہیدؒ جس کے بازوؤں اور گلے کو رسی سے جکڑا گیا یہاں تک کہ آنکھوں میں خون جم گیا۔ محمد مجیب الرحمٰن شہیدؒ جس کی ناک اور کان کاٹے گئے' پھر گلے میں رسی ڈال کر شہر میں گھمایا گیا' پھر دونوں بازو کاٹ دیے گئے۔ عبدالوہاب شہیدؒ' معین الدین شہیدؒ' عبدالباطن شہیدؒ اور محمد یونس شہیدؒ جن کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ندی میں ڈبو دیا گیا۔ مصطفیٰ کمال شہیدؒ جس کی انگلیاں کاٹی گئیں' دونوں بازو کاٹے گئے' ظالموں نے اس کا لہو اپنے چہرے پر ملا' قہقہے لگائے اور پھر سینے پر رائفل رکھ کر لبلبی دبا دی گئی۔ ابو الحسین شہیدؒ جس کا گوشت ہڈیوں سے چھیل کر اس طرح الگ کر دیا گیا جس طرح قصاب جانوروں کا کرتا ہے۔ محمد علی شہیدؒ جس کو بجلی کے کھمبے کے ساتھ باندھ کر ایک ایک عضو کاٹا گیا۔ پھر نعش کو سربازار کھمبے کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔ یہ تو چند نام ہیں' ورنہ ہر فرد ایسی ہی دشوار گھاٹی سے گزارا گیا۔ نہ معلوم کتنے اور ایسے تھے جن کے اعضا کاٹے گئے' گوشت نوچا گیا' درختوں سے لٹکایا گیا' پانی میں ڈبویا گیا' زندہ گڑھوں میں دفن کیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(خاک و خون میں لوٹنے کی کیسی اچھی رسم انھوں نے ڈالی۔ خدا ان نیک سرشت عاشقوں پر رحمت کرے)۔

اور ان میں ہر ایک عزیمت و عظمت کی ایسی تصویر کہ دیکھنے والے اپنی انگلیاں کاٹ لیں' محو حیرت ہو

جائیں۔ ہر ظلم و ستم کے باوجود اپنی جگہ پہاڑ کی طرح قائم و ثابت ؎

ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر

اور تسلیم جاں کا انداز بھی نرالا۔ موت کے گھاٹ اتارے گئے تو مسرور و شاداں تھے۔ چہرے ایسے چمک رہے تھے کہ جیسے دولہا کا چہرہ۔ ضاحکۃ مستبشرۃ (عبس ۸۰:۳۹)۔

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

(جاری)

حواشی و تعلیقات

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ صاحب نے ترجمہ کیا ہے "اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ"۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خدا تمھارے اور مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ دوسرا مفہوم انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تمھارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً ووجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ (القرآن الکریم و ترجمہ معانیہ و تفسیرہ الی اللغۃ الاردیہ، اشاعت ۱۹۸۹، ص ۲۳۹)۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرقان کا ترجمہ کسوٹی سے کیا ہے جو کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کو نمایاں کرتی ہے۔ یعنی اللہ تمھارے اندر وہ قوت تمیز پیدا کر دے گا جس سے قدم قدم پر تمھیں خود یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ کون سا رویہ صحیح ہے اور کون سا غلط۔ (ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۲، ص ۴۷۵)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرقان اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دے۔ یہ امتیاز پیدا کرنے والی شے داخلی بھی ہو سکتی ہے خارجی بھی، علمی اور عقلی بھی ہو سکتی ہے اور عملی اور واقعاتی بھی۔ (تدبر قرآن، جلد سوم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۴۶۵-۴۶۶)۔ علامہ یوسف علی نے فرقان کا ترجمہ (criterion) سے کیا ہے۔

The Holy Quran, Text Translation and Commentary, Amana Corp. U.S.A. 1983, p 422

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World جلد ۴، مقالہ بر التکفیر والھجرۃ، ص ۱۷۹-۱۸۰، نیز جلد ۳، مقالہ بر مصطفیٰ شکری، ص ۲۱۱

۳۔ القیادۃ فی العمل الاسلامی، مصطفیٰ محمد طحان، اردو ترجمہ: محمد سمیع اختر، عالمی تحریکات اسلامی کی چند انقلابی شخصیات، ہلال پبلی کیشنز، سنگاپور، ۱۹۸۸، ص ۲۳۵-۲۵۱۔

۴۔ ترکی رابح عمارہ، الشیخ عبدالحمید بن بادیس، رائد الاصلاح والتربیہ فی الجزائر، ص ۳۴۰۔

۵۔ تفسیر ابن بادیس، بحوالہ القیادۃ فی العمل الاسلامی، مصطفیٰ محمد طحان، حوالہ بالا، ص ۱۳۹-۱۴۰۔

۶۔ مولانا سید احمد قادریؒ نے تصوف اسلامی پر باضابطہ کتاب تصنیف کی اور اس کی مروجہ اصطلاحات کی قرآن و سنت اور صوفیانہ ادبیات کی روشنی میں تشریح و توضیح کی مگر مولانا مودودیؒ ہمیشہ تصوف اور اصطلاحات و مسائل تصوف سے کنارہ کش رہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ تو تصوف سے اتنے بیزار اور متنفر تھے کہ عشق کی اصطلاح سے انھیں ایک طرح کی آوارگی کی بو آتی تھی۔

آج کا منظر نامہ ' اور حکومت الٰہیہ کا قیام

چودھری رحمت الٰہی

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم ۳۰:۴۱)
لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے بحر و بر میں فساد برپا ہے۔

یہ آیت آج کے منظر نامے کی پوری عکاسی کرتی ہے۔ دنیا میں ہر طرف فساد پھیلا ہوا ہے۔ بے شمار اقوام کو جنگ و جدل اور خون ریزی کا سامنا ہے۔ وہشت گردی چاہے وہ افراد اور گروہوں کی طرف سے ہو یا ریاستی سطح پر' اس سے دنیا کا کوئی حصہ محفوظ نہیں ہے۔ طاقت ور اقوام نے کمزور ممالک پر مختلف شکلوں میں اپنی بالادستی قائم کر رکھی ہے جو غلامی کا نیا ایڈیشن ہے۔ ظلم اور ناانصافی سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ افراد بھی اس کی زد میں ہیں اور اقوام بھی۔ منافقت عام ہے۔ دعوے تو جمہوریت' انسانی حقوق' آزادی اور مساوات کے ہیں لیکن مفادات پر یہ سب قربان کر دیے جاتے ہیں۔ کشمیر' فلسطین' الجزائر' بوسنیا اور کوسووا اس کی چند نمایاں مثالیں ہیں۔ بد قسمتی سے یہ سب مسلمان ممالک ہیں۔ اپنے لیے الگ اور دوسروں کے لیے الگ معیار ہیں۔ ایٹمی صلاحیت کے حصول کا دوہرا معیار اس کا بڑا نمونہ ہے۔ خود امن عالم کے نام نہاد ٹھیکے داروں نے نسل انسانی کی تباہی کے لیے اتنے ایٹم بم بنا لیے ہیں جن سے پوری دنیا کئی بار نیست و نابود کی جا سکتی ہے۔

اشتراکیت آج کے منظر نامے سے غائب ہو چکی ہے لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے پورے کرہ ارض کو اپنے سودی قرضوں کے جال میں جکڑ لیا ہے جس کے نتیجے میں معاشی عدم مساوات میں ہولناک اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ افراد اور طبقات کے درمیان بھی ہے اور اقوام کے مابین بھی۔ دنیا کی ۷۰ر ۸۰ فی صد آبادی غربت کی چکی میں پس رہی ہے۔ امیر لوگ اور امیر اقوام' امیر تر اور غریب پہلے سے زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں۔ تیسری دنیا کے نام سے موسوم اقوام' قرض کے جال میں اس بری طرح جکڑی ہوئی ہیں کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتیں۔ ترقی یافتہ اور مہذب کہلانے والی اقوام میں بھی رنگ و نسل کا امتیاز اور تعصب نمایاں ہے جو دن بدن بڑھ رہا ہے۔ جنسی آوارگی' ناجائز اولاد اور طلاق نے وبا کی شکل اختیار کر رکھی ہے جس کے نتیجے میں خاندان کا ادارہ جو انسانی معاشرے کی بنیاد ہے' منتشر ہو رہا ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں' جنسی امراض اور نفسیاتی امراض کی کثرت ہے جبکہ دوسری طرف جذباتی اور روحانی خلا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ لوگ

بڑے پیمانے پر منشیات کا شکار ہو رہے ہیں۔ خودکشی کا تناسب بھی پریشان کن ہے۔ ترقی یافتہ دنیا میں بھی اگرچہ ایک بڑی تعداد غربت کی زندگی بسر کر رہی ہے لیکن باقی آبادی بھی مادی ترقی کے باوجود بے چینی کا شکار ہے۔ اسے تمام تر سہولتوں کے باوجود اطمینان اور سکون میسر نہیں ہے۔

یہ تو پورے کرہ ارض کی صورت حال ہے۔ خود ہمارے وطن عزیز پاکستان کا حال اور بھی خراب ہے۔ امن و امان تباہ ہے اور جان و مال کا تحفظ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ دہشت گردی کا عفریت بلا روک ٹوک دندناتا رہا ہے۔ ملک صوبائی اور نسلی عصبیتوں اور فرقہ وارانہ مناقشت کا شکار ہے۔ وحدت ملی کمزور ہو گئی ہے اور عوام بے یقینی میں مبتلا ہیں۔ ہمارا ملک کرپٹ ترین ممالک میں اونچے مقام پر ہے۔ حکمرانوں اور سرکاری مشینری کی بدعنوانی اور لوٹ مار ریکارڈ توڑ رہی ہے۔ ملک میں انصاف نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے اور ملی اور مادی قوت کا محتاج ہے۔ مغربی ثقافت کی یلغار نے ہماری ملی اقدار کو مضمحل کر رکھا ہے۔ قوم اخلاقی انحطاط کا شکار ہے۔ عریانی اور فحاشی سرکاری سرپرستی میں پھیل رہی ہے۔ جرائم کی کثرت ہے۔ جھوٹ، دھوکا، فریب، ناپ تول میں کمی، بددیانتی اور ملاوٹ عام ہو گئی ہے۔ ملک کا بال بال سودی قرضوں میں بندھا ہوا ہے۔ اس نے ملکی معیشت کو تباہ کر دیا ہے اور ہماری معیشت اور اقتصاد آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے یرغمال بن گئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ہمارے سکے کی قیمت دن بدن گر رہی ہے اور کمر توڑ مہنگائی نے عوام کے لیے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر نے ہماری تجارت، ہماری معیشت اور ہماری آزادی عمل، سب کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔

دنیا میں اور ہمارے اپنے ملک میں اس وقت جو صورت حال ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر ظلم، ناانصافی، استحصال، منافقت، دوغلہ پن، تعصبات، اخلاقی بے راہ روی اور اضطراب و بے چینی کا دور دورہ ہے۔ یہ کیفیت قانون قدرت کے عین مطابق ہے کیونکہ سیدھا راستہ چھوڑ دینے کے بعد بھٹکنا اور ٹھوکریں کھانا بالکل یقینی امر ہے۔ سیدھا راستہ کیا ہے؟ قرآن کا ارشاد ہے: وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ (مریم ۱۹: ۳۶) "بے شک اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس تم اسی کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے"۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (یونس ۱۰: ۳۲) "پس حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے"۔ یقیناً گمراہی بھٹکنے اور ٹھوکریں کھانے کے سوا اور کیا ہے!

علامہ اقبالؒ نے اسی کیفیت کو اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

اس جماعت (جماعت اسلامی) کے نزدیک دنیا کے بگاڑ کا حقیقی سبب خدا اور آخرت سے بے نیازی اور رسالتؐ کی رہنمائی سے روگردانی ہے۔ دنیا میں جب، جہاں اور جس شعبہ زندگی میں بھی خرابی پیدا ہوئی ہے، اس کی تہہ میں یہی بنیادی سبب کار فرما رہا ہے اور کوئی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں

ہے کہ خدا کی اطاعت' آخرت کی جواب دہی کے احساس اور رسالت کی رہنمائی کو نظام زندگی کی بنیاد بنایا جائے۔ اس کے بغیر کسی مادہ پرستانہ نظریے کی اساس پر عدل قائم کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ ایک نئے ظلم کی شکل اختیار کر لے گی۔ (منشور جماعت اسلامی' ۱۹۷۰)

میں نے اس وقت جو منظر نامہ پیش کیا ہے اس کی یک گونہ ذمہ داری امت مسلمہ پر بھی عائد ہوتی ہے جسے خیر امت اور امت وسط جیسے القابات سے نواز کر شہادت حق کا فریضہ سونپا گیا تھا لیکن وہ اپنی اس ذمہ داری کا حق ادا نہیں کر رہی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (اٰل عمرٰن ۳ : ۱۱۰)' "اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا (البقرہ ۲ : ۱۴۳)' "اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو"۔ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (الحج ۲۲ : ۷۸)' "اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمھارا یہی نام ہے) تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ"۔ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۳)' "اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا' اور جسے (اے محمدؐ) اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے' اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں' اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو"۔

ان آیات ربانی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ امت مسلمہ کا مقصد وجود اقامت دین اور شہادت حق ہے۔ اقامت دین' اسلامی نظام اور حکومت الٰہیہ ایک ہی چیز ہیں۔ اقامت دین سے مراد اللہ کے نازل کردہ دین یا نظام حیات کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں نافذ کر دینا اور مضبوطی سے قائم کر دینا ہے کیونکہ شہادت حق اس کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی۔ شہادت حق سے مراد یہ ہے کہ ہم بنی نوع انسان پر اپنے قول اور عمل سے یہ واضح کر دیں کہ دنیا میں کامیاب زندگی اور آخرت میں نجات اور سرخروئی اللہ کی نازل کردہ ہدایت یعنی دین حق پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ خدا کے پیغام کو بنی نوع انسان تک زبانی پہنچانا بھی اس کا تقاضا ہے۔ اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کا عملی نمونہ پیش کرنا بھی ضروری ہے' تاکہ جو چاہے ہمارے دعوے کو پرکھ کر اپنا اطمینان کر لے۔

عملاً' شہادت حق کا یہ عمل تقاضا کرتا ہے کہ ہم ایک ایسا معاشرہ اور ریاست قائم کریں جس میں صدر مملکت اور وزیر اعظم سے لے کر ایک چپڑاسی اور مزدور تک سب کی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق بسر

ہو۔ گھر کی چار دیواری اور مسجد میں' تجارت اور منڈی میں' اسکول اور یونی ورسٹی میں' قانون اور عدالت میں' پارلیمنٹ اور نظام حکومت میں اور جنگ و صلح میں' ہر جگہ اللہ کی ہدایت اور اس کے دین پر عمل ہو اور پورا معاشرہ قرآن و سنت کی عملی تصویر پیش کرے۔ نیکی پروان چڑھے اور برائی اور بداخلاقی دبا دی جائے۔ چھوٹے بڑے' امیر و غریب اور قوی و کمزور سب کو یکساں انصاف ملے۔ حکمرانوں کا قانون نہیں بلکہ اللہ کے قانون کی حکمرانی ہو جو وزیراعظم اور ایک ریڑھی والے پر یکساں نافذ ہو۔ کوئی کسی کے جان و مال اور آبرو سے کھیل کر سزا سے نہ بچ سکے۔ ہر شہری کو بنیادی ضروریات غذا' لباس' رہائش' تعلیم اور علاج میسر ہوں۔ خواتین کو اللہ اور رسولؐ کا عطا کردہ احترام اور حقوق حاصل ہوں۔ سب کے بنیادی حقوق محفوظ ہوں اور حکمران اللہ تعالیٰ کے سامنے اور عوام کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھیں اور ان کے بے لاگ احتساب کا قابل اعتماد نظام قائم ہو۔

یہ اس معاشرے اور ریاست کا مختصر سا خاکہ ہے جو شہادت حق کا فریضہ ادا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کسوٹی پر آپ آج کے نفاذ شریعت کے دعووں کو جانچ سکتے ہیں۔ کیونکہ ع

مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اقامت دین اور شہادت حق ہر مسلمان اور امت مسلمہ کا مقصد وجود ہے۔ اب جو چیز اپنا مقصد وجود پورا نہ کرے وہ ناکارہ اور ناقابل التفات ہو جاتی ہے۔ ہم نے اپنی کلائی پر گھڑی باندھ رکھی ہے۔ اس کا مقصد وجود وقت بتانا ہے۔ اگر یہ وقت بتانا چھوڑ دے تو ہم اسے اتار کر کوڑے میں پھینک دیں گے۔ چونکہ امت مسلمہ نے اپنا مقصد وجود پورا کرنا چھوڑ دیا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا ہے جہاں کوے' چیلیں اور درندے اسے نوچ رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان قلت تعداد اور قلت وسائل کے باوجود اتنے جری اور اتنے قوی تھے کہ قیصر و کسریٰ ان کے دبدبے سے لرزتے تھے اور کیفیت یہ تھی کہ ع تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا۔ آج مسلمان سوا ارب کی تعداد میں ہیں' مال و دولت اور وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ لیکن دشمن ان پر اس طرح ٹوٹ رہے ہیں جیسے بھوکے' دسترخوان پر۔ آج فلسطین' کشمیر' بوسنیا' کوسووا' الجزائر' اراکان' فلپائن ہر جگہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے اور امت مسلمہ تک تک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنی ہوئی ہے۔ جہاں خوں ریزی نہیں ہے وہاں بھی ہمارے خزانے اور ہماری معیشت اغیار کے چنگل میں ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں :-

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

آج ہم اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے بجائے ایک طرف عرب و عجم' ترک و تاتار' سندھی اور بلوچ اور پٹھان و پنجابی میں بٹے ہوئے ہیں اور دوسری طرف فرقہ وارانہ تعصب میں پھنسے ہوئے ہیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

مسلمان اگر بیدار ہوں، مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہوں، ایک امت واحدہ میں متحد ہوں اور خیر امت اور امت وسط کے منصب کے شایان شان اپنا فریضہ شہادت حق ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو وہ ایک دفعہ پھر دنیا کی امامت کے حق دار بن سکتے ہیں۔

آج پاکستان میں بھی اور عالمی سطح پر بھی حق و باطل کی کش مکش برپا ہے۔ روس میں اشتراکیت کی ناکامی اور سوویت یونین کے منتشر ہو جانے کے بعد امریکہ کی قیادت میں، مغرب نے اسلام اور عالم اسلام کو اپنا مدمقابل ٹھہرا کر اسے ہدف بنا لیا ہے۔ بالخصوص وہ عالم اسلام میں جگہ جگہ اٹھنے والی احیاے اسلام کی تحریکوں سے خائف ہیں اور انھیں بنیاد پرست (fundamentalist) اور جنگجو اسلام (militant islam) جیسے القابات سے موسوم کر کے اپنے عوام میں ان کے خلاف اور اسلام کے خلاف نفرت اور تعصب بھڑکاتے رہتے ہیں۔ اس امر میں ان کے دانش ور، سیاست دان اور بڑے بڑے صحافی، سب شریک ہیں۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب امریکہ میں اوکلاہاما کی فیڈرل عمارت میں دھماکا ہوا تو یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ یہ دھماکا کسی مسلمان دہشت گرد نے کیا ہے۔ بعد میں مجرم خود ایک امریکی نکلا لیکن چوبیس گھنٹے کے اندر پورے امریکہ میں جگہ جگہ مسلمان نفرت اور تشدد کا نشانہ بن گئے۔

مغرب اور امریکہ کو اصل اندیشہ یہ ہے کہ اگر احیاے اسلام کی یہ تحریکیں کامیاب ہو گئیں اور اس طرح چند مسلمان ممالک میں صحیح اور مخلص اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں تو آج اس نے عالم اسلام کو جن زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے وہ ٹوٹ جائیں گی اور اس کے نیو ورلڈ آرڈر کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھارت کی ایٹمی صلاحیت سے پریشان نہیں ہے، لیکن پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو ہر قیمت پر ختم دیکھنا چاہتا ہے۔ امریکہ اور مغرب مختلف مسلمان ممالک کی حکومتوں کو، اسلامی تحریکوں کو، ان کے اقتدار کے لیے خطرہ ہونے کا ہوا دکھا کر، انھیں دبانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نیز ہر مسلمان معاشرے میں انھوں نے اپنے دور اقتدار میں ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا جو ان کا تربیت یافتہ اور مغربی تہذیب و ثقافت کا دلدادہ ہے۔ مغربی تہذیب و تعلیم کے زیر اثر ایک سیکولر لابی بھی ہر جگہ پیدا ہو گئی ہے جو اگرچہ مختصر ہے لیکن بہت اثر و نفوذ رکھتی ہے کیونکہ یہی مغرب زدہ طبقہ اور سیکولر لابی مختلف مسلمان ملکوں میں مغرب کے اقتدار کی وارث بنی ہے۔ یہ حکمران طبقہ بین الاقوامی گٹھ جوڑ کے ساتھ اسلامی تحریک کا راستہ روکنے کے لیے ہر ہتھکنڈا استعمال کر رہا ہے۔

ہر مسلمان ملک میں اور خود پاکستان میں یہ کھیل جاری ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان عوام بالخصوص اس کا سوچنے سمجھنے والا عنصر اس کش مکش کے پس پردہ حقائق کو جان لیں اور اس کا ہر میدان میں مقابلہ کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ مسلمان کرہ ارض کے ہر حصے میں اپنے اصل یعنی صحیح اسلامی

معاشرے کی شناخت کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں جماعت اسلامی اس جدوجہد کی علامت ہے۔

عالم اسلام اگر واقعی اپنی اصل کو پانے اور اسے اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ان شاء اللہ ایک پاور بن کر ابھرے گا۔ اس وقت دنیا کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ مسلمانوں کے پاس ہے۔ محل وقوع کے لحاظ سے اسے مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ بحری' بری اور فضائی راستوں پر اس کا کنٹرول ہے۔ معدنی وسائل کی صنعتی اور معاشی ترقی کی کنجی ہیں' ان کے سب سے بڑے ذخائر اسی کے پاس ہیں۔ ٹکنالوجی میں اگرچہ ابھی مغرب سے پیچھے ہے لیکن وہ اس کی دسترس سے باہر نہیں جیسا کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے ظاہر ہے۔

عالم اسلام کے جاگنے اور ایک آزاد اور داعیانہ کردار ادا کرنے کی راہ اسی وقت ہموار ہو گی جب اسلامی تحریک آگے بڑھ کر اقتدار کی باگیں اپنے ہاتھ میں لے گی' ان شاء اللہ! وہ وقت دور نہیں ہے جب یہ لہریں جو عالم اسلام کے ہر حصے میں ابھر رہی ہیں' ظلم و تشدد کے تمام حربوں کے باوجود آخر کار مسلمان عوام کی تائید و حمایت سے تمام مصنوعی رکاوٹوں کو بہالے جائیں گی اور ایک نیا سویرا طلوع ہو گا جو انسانیت کو ایک بار پھر امن و سکون' عدل و انصاف اور خوش حالی سے ہمکنار کرے گا۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

جماعت اسلامی جس حکومت الٰہیہ یا اسلامی ریاست کے لیے جدوجہد کر رہی ہے وہ عصر حاضر کی ایک جدید ریاست ہو گی جو سائنس کی تمام ایجادات اور تاریخ انسانی کے جملہ تجربات سے استفادہ کرے گی اور ملک کے اندر اور ملک کے باہر امن و سلامتی' اخوت و بھائی چارے اور انسانی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے گی۔

جماعت اسلامی کی یہ جدوجہد ایک پرامن جدوجہد ہے۔ ہم اہل پاکستان سے اس جدوجہد کا ساتھ دینے کی اپیل کرتے ہیں۔ ہم مغرب کو جو حریت فکر اور آزادی عمل کا دعوے دار ہے' یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسلامی تہذیب کے احیا کو نیو ورلڈ آرڈر کے امپریل ازم کے ذریعے روکنے کے بجائے مغرب کی سیکولر اور لبرل تہذیب اور اسلام کی خدا پرست تہذیب کو پرامن مسابقت کا موقع دے اور یہ بات انسانیت کی آزاد مرضی پر چھوڑ دے کہ وہ اپنا مستقبل کس تہذیب کے سپرد کرتی ہے۔

اللھم ارنا الحق حقاً وررزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وررزقنا اجتنابه

(اجتماع اسلام آباد میں پڑھا گیا' ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۸)

1 کام کیسے کریں؟ وقت کیسے بچائیں؟

آپ کا وقت۔۔۔آپ ہی کے لیے ہے۔۔۔لیکن اکثر ایسا محسوس نہیں ہوتا۔ کام رہ جاتے ہیں۔۔۔وقت گزر جاتا ہے۔۔۔مقاصد پیچھے چلے جاتے ہیں' دیگر تقاضے سامنے آجاتے ہیں۔

آیئے دیکھیں کہ وقت کا صحیح استعمال کیسے ممکن ہے

◎ ترجیحات قائم کریں۔اول کام اول وقت کریں

◎ معلومات کے تبادلے کے وقت بات واضح اور قطعی کریں

◎ اپنی ذمہ داری اور اختیار کا مسلسل تعین کرتے رہیں

◎ کام سپرد کرتے وقت احتیاط سے کام لیں۔حسب توقع کروا لینا اکثر اوقات خود کر لینے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے

◎ اپنے وقت کے ایک حصے کو دوسروں کے تسلط سے آزاد رکھیں تاکہ آپ کی ذمہ داریوں کی تکمیل بھی ہو سکے

◎ مشغولیات میں شرکت کا فیصلہ دلچسپی کے بجائے اہمیت اور ضرورت کی بنیاد پر کریں

◎ کسی کام کو ادھورا نہ چھوڑیں۔بعد میں زیادہ وسائل اور وقت درکار ہو گا

◎ سالانہ / ششماہی / ماہانہ / ہفتہ وار / روزانہ اہداف مقرر کر کے کاموں کا جائزہ لیتے رہیں

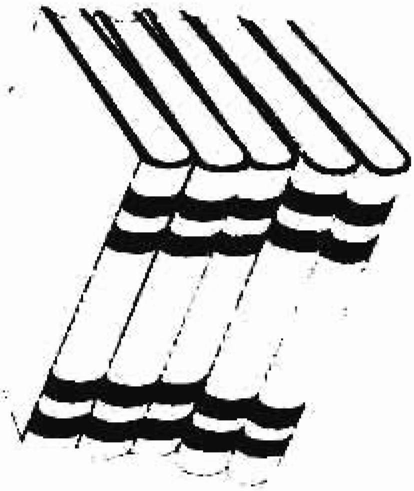
◎ اگر کبھی **نہ** کہنا ضروری ہو جائے تو اعتماد سے کہیں

اور ــــــــــ

میٹنگ اور کاغذی کارروائی ! اکثر ان کے ہجوم میں کام غائب ہو جاتا ہے۔۔۔

◎ اصل توجہ نتائج پر رکھیں

خواتین کے لیے نادر تحفہ



"خوبصورت جہیز سیٹ"

پردہ ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

عصر حاضر میں اس موضوع پر لکھی جانے والی سب سے ممتاز کتاب جسے عالم اسلام میں وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو کم کتابوں کے نصیب میں آتی ہے۔ مختلف زبانوں میں اب تک اس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک چکے ہیں۔

آسان فقہ ۔ محمد یوسف اصلاحی (حصہ اول، حصہ دوم)

باہمی اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس کتاب میں صرف وہی متفقہ عملی مسائل اور کتاب وسنت کی روح ومنشا کے مطابق ان کے حل پیش کیے گئے ہیں جو عام زندگی میں پیش آتے ہیں۔

آدابِ زندگی ۔ محمد یوسف اصلاحی

اپنی زندگیوں کو اسلامی آداب سے سجانے اور سنوارنے کی آرزو رکھنے والوں کیلئے نادر تحفہ

راہِ عمل ۔ مولانا جلیل احسن ندوی

ہادیٔ اعظم نبی اکرم ﷺ کے مبارک اقوال وافعال کی روشنی میں اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں ڈھالنے کے لیے رہنما کتاب۔

حسنِ معاشرت اور اس کی تکمیل میں خواتین کا حصہ۔ محمد یوسف اصلاحی

ان خواتین کے لیے جو اپنے فرائض کے گہرے احساس، پرسوز جذبات اور مجاہدانہ کوششوں سے اس خاکے میں رنگ بھر سکتی ہیں۔

قیمت مکمل سیٹ -/800 روپے — رعایتی قیمت -/500 روپے

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

13-ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور فون : -7669546 - 7664504 فیکس: -7658674

شوروم : - 10- چیمبر جی روڈ اردو بازار لاہور

حکیم محمد سعیدؒ کی یاد میں

خورشید احمد

۱۷/ اکتوبر ۹۸ کی صبح بھی کیسی خون آشام تھی۔ میں ناشتہ سے فارغ ہو کر اخبار کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور عزیزم عبدالغفار عزیز نے یہ دل ہلا دینے والی اطلاع دی کہ حکیم سعید کو آج صبح کراچی میں شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ معاً میری زبان سے نکلا ـــــ حکیم صاحب تو کامیاب رہے! انھوں نے پوری زندگی بیماری، جہالت اور ناانصافی کے خلاف جہاد کیا اور آخر کار شہادت کا رتبہ پایا، محروم اور ناکام تو وہ قوم ہے جس نے اپنے ایسے محسن کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں، مگر ایسے بھی تھے

حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات ان کے رفیق کار اور میرے تحریکی رہنما اور بھائی حکیم اقبال حسین صاحب کے توسط سے ۱۹۵۳ میں ہوئی جب میں اسٹوڈنٹس وائس نکال رہا تھا اور وہ آرام باغ روڈ پر ہمدرد مطب کے روحِ رواں تھے۔ اس پہلی ملاقات ہی میں حکیم صاحب کی شرافت، سادگی، طلبا میں دلچسپی، جمعیت کے لیے کلمہ خیر اور انسانوں کے لیے ہمدردی کا نقش دل پر قائم ہوا۔ تیز بولنے میں ہلکی سی لکنت کا لطف بھی لیا۔ اس اولیں ملاقات کے بعد وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہیں لیکن بس واجبی سی۔ البتہ ۱۹۷۰ اور ۱۹۸۰ کے عشروں میں یورپ اور مشرق وسطی میں بین الاقوامی کانفرنسوں میں ملاقاتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مجھے حکیم صاحب کے قریب آنے اور ان کے قلب و ذہن میں جھانکنے کا موقع ملا۔ پیرس میں یونیسکو کی کانفرنسوں میں ہم ساتھ رہے اور جس محبت اور شفقت سے حکیم صاحب نے میری ٹوٹی پھوٹی خدمات کو سراہا وہ ناقابل فراموش ہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب ہمارے درمیان دوستی کا دور شروع ہوا۔ حکیم سعید صاحب کی نگارشات سے تو میں واقف تھا لیکن اس زمانے میں ان کے جسد ظاہری میں جو انسان آباد تھا اسے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔

ان کے معمولات سے آگہی ہوئی اور اس پر رشک بھی آیا۔ تہجد کے وقت اٹھنا ان کا معمول تھا۔ تلاوت اور نوافل کے بعد کچھ تحریر و تسوید اور خط و کتابت جو نماز فجر تک جاری رہتی۔ فجر کے بعد معمولی سی ورزش یا کھیل (ٹینس کے شوقین تھے اگر موقع میسر آجائے تو)۔ اس کے بعد کام اور مسلسل کام۔ رات کو جلد سونے کی مسلمان اہل علم و تقویٰ کی روایت پر بھی قائم رہے۔ وہ جنرل ضیا الحق کے مشیر صحت بنے اور طب مشرق کو ملک اور ملک کے باہر اس کا صحیح مقام دلانے کی جدوجہد میں دن رات مصروف رہے۔ انسانوں کی خدمت اور مطب کی مشقت کا سلسلہ کسی زمانے میں بھی نہ چھوڑا۔ قلم و قرطاس کی خدمت بھی ان کی زندگی کا جزو لاینفک تھی۔ شاید ہی کوئی دن تصنیف و تالیف کی سعادت سے محرومی کا دن ہو۔ سفر ہو یا حضر' یہ ان کا معمول تھا۔ حکومت سے ان کا تعلق مقصد کی لگن کے تابع تھا اور جب دیکھا کہ اب گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی ہے تو عزت سے مستعفی ہو گئے۔ ۱۹۹۳ میں چند ماہ کے لیے سندھ کے گورنر بنے لیکن اس زمانے میں بھی ان کی اصل دلچسپی تعلیم کا فروغ تھا۔ تین ماہ میں چھ جامعات کی داغ بیل ڈالی۔ ہمدرد یونی ورسٹی اور بیت الحکمت کے معاملات تو پہلے ہی طے کرا چکے تھے۔ زندگی کے آخری بیس سال طب کے فروغ کے ساتھ ساتھ تعلیم کی شمعیں روشن کرنے کے لیے وقف کیے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اس عالم میں کہ ع

ہر ایک گل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا

حکیم محمد سعید مرحوم کی خدمات کا شمار مشکل ہے۔ ہمدرد کے مطب سے آغاز کر کے ہمدرد انڈسٹری کو بام عروج تک پہنچایا' طب مشرق کو نئی زندگی دی اور بیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ ۱۹۵۳ میں بچوں کے لیے رسالہ ہمدرد نونہال نکالا جس کی خدمات اب نصف صدی پر محیط ہیں۔ بچوں کی دینی' اخلاقی اور تہذیبی تعلیم و تربیت کے لیے نونہال ادب کا سلسلہ شروع کیا اور ۳۸ سفرنامے بچوں کے لیے خود لکھے جن سے ان کو ساری دنیا کی سیر کرائی اور ملک ملک کی ثقافت سے روشناس ہونے کا موقع دیا۔ "شام ہمدرد" کا ادارہ قائم کیا جو اہل دانش کے لیے قومی اور ملی موضوعات پر تبادلہ خیال کا ایک اعلیٰ فورم بن گیا اور آخر کار ہمدرد شوریٰ پر منتج ہوا۔ مجھے بھی شام ہمدرد میں کئی بار اظہار خیال کا موقع ملا اور ہمدرد شوریٰ میں بھی حکیم صاحب نے شریک کیا۔

سیرت پاک' ' قرآنی تعلیمات' مسلمانوں کی تاریخی خدمات اور طب اور سائنس کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات حکیم صاحب کے خاص موضوع تھے۔ اکیسویں صدی کے چیلنج اور اسلام کے دعوتی امکانات پر بھی خوب قلم اٹھایا اور دوسروں کو تحریر و تقریر کے مواقع فراہم کیے۔ البیرونی' ابن سینا اور دوسرے مسلمان سائنس دانوں پر عالمی کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ عرب دنیا اور خود مغربی ممالک میں طب مشرق کو روشناس کرایا اور ایک احترام کا مقام دلوانے میں کامیاب ہوئے۔ یونیسکو میں پاکستان اور اردو کے لیے اتنا کام کیا جو غالباً

سارے مسلمان ملکوں کے سفرا کے کام پر بھاری تھا۔ جس کام کا بیڑا اٹھایا اس کے لیے وقت، مال، جان سب کچھ کھپا دیا۔

بیت الحکمت کا قیام ان کی سب سے بڑی آرزو بن گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے تعلیمی اداروں کا ایک حسین جال بچھا دیا جو کراچی سے اسلام آباد تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان کی بار بار کی دعوت کے باوجود میں ان کی زندگی میں بیت الحکمت نہ جا سکا۔ کہتے تھے: تم آؤ اور دیکھو، میں نے احباب سعید میں تمھارا فوٹو بھی لگا رکھا ہے۔ حکیم صاحب پیار سے ایسے معصوم انداز میں بات کیا کرتے تھے جو نظر سے دل تک اتر جاتی تھی۔

ہماری آخری ملاقات ۲ اکتوبر ۹۸ کو لاہور میں ہوئی جہاں انھوں نے انسٹی ٹیوٹ آف لیڈر شپ اینڈ مینجمنٹ (آئی ایل ایم) کے دوسرے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرمائی اور طلبا کو ڈگریاں عطا کیں۔ مجھے اس ادارے کا صدر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ میری ہی دعوت پر حکیم صاحب اس کے بورڈ آف گورنرز کے رکن بنے اور میری عدم موجودگی میں صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انھی کی تحریک پر اس ادارے کا ہمدرد یونی ورسٹی سے الحاق کیا گیا اور اس طرح ہمارا رشتہ اور بھی مستحکم ہوا۔ اپنے خطبہ صدارت میں انھوں نے تعلیم و تربیت کی اہمیت کے ساتھ ساتھ پاکستان کے ان طبقات پر سخت تنقید کی جو ملک کو لوٹ رہے ہیں اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

حکیم صاحب کراچی کے حالات کے بارے میں بڑے دل گرفتہ تھے۔ بڑے دکھ سے فرمایا: مجھے بھی برابر کئی سال سے دھمکیاں مل رہی ہیں، لیکن میں ڈرنے والا نہیں۔ مجھے اللہ پر بھروسا ہے اور جس مقصد کے لیے جہاد شروع کیا ہے اسے جاری رکھوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ وقت آئے گا جب اس ملک کے عوام اپنا خون چوسنے والوں سے حساب لیں گے۔ بڑے عزم سے فرمایا: "ہم ان کو بھاگنے بھی نہیں دیں گے!"

وہ بڑی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ کبھی کسی کو دکھ نہیں پہنچایا۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچایا اور جو کچھ کمایا اسے خدمت خلق اور خدمت دین کے لیے وقف کر دیا۔ انھیں پاکستان اور امت مسلمہ سے حقیقی عشق تھا اور انسانوں کی خدمت ان کا مشن تھا۔ وقت کی پابندی اور وقت کا صحیح استعمال کوئی ان سے سیکھے۔ اس معاملے میں، میں نے انھیں اور مولانا مودودیؒ کو بڑا حساس پایا اور یہی ان کی اعلیٰ کارکردگی کا راز ہے۔

حکیم صاحب ہر علاقائی اور لسانی تعصب سے پاک تھے۔ وہ سچے پاکستانی اور سچے مسلمان تھے اور اسی کو اپنی شناخت تصور کرتے تھے۔ ان کی شہادت پاکستان اور امت مسلمہ کے لیے بڑا نقصان اور لاکھوں انسانوں کے لیے ایک ذاتی صدمہ ہے۔ وہ کیسے شقی القلب تھے جنھوں نے ایسے پیارے انسان کو گولیوں کا نشانہ بنایا

اور بنوایا۔۔۔ شاید حکیم سعید جیسے سعید انسان کی قربانی سے کراچی اس ظلم اور طغیان سے نجات پانے کی راہ پر گامزن ہو جائے جس کی تاریکیوں میں روشنیوں کا یہ شہر ڈوبا ہوا ہے اور معصوم انسان روز لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ وہ جو تحریک پاکستان کا ہراول دستہ تھے آج انھی کی اولاد میں سے کچھ عناصر پاکستان کو عصبیتوں کی تلوار سے پارہ پارہ کرنے میں مشغول ہیں۔ اگر حکیم سعید کا خون سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کر دے، آنکھوں پر سے عصبیت کے پردوں کو چاک کر دے اور کراچی کے غیور شہریوں کو ظالموں کو پہچاننے اور ان سے نجات پانے اور مظلوموں کی داد رسی کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی توفیق اور ہمت دلا سکے تو حکیم سعید جتنا زندگی میں کامیاب رہے، اس سے زیادہ کامیاب اپنی شہادت کے بعد رہیں گے۔

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ۔۔۔ ایک تاثر

ڈاکٹر عبدالمغنی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ابتدائی رفقائے کار میں نمایاں مقام رکھنے والے، مولانا صدر الدین اصلاحی ۱۳ / نومبر ۹۸ کو اپنے آبائی گاؤں پھول پور (اتر پردیش، بھارت) میں ۸۲ سال کی عمر میں اپنے رب سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پوری دنیا میں اور خصوصاً برعظیم پاک و ہند میں غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے ان کا نام، ان کی تصنیفات کی وجہ سے ایک معروف اور جانا پہچانا نام تھا۔ ترجمان القرآن کے اولین دور میں ان کے معرکہ آرا مقالات مسلمان اور امامت کبریٰ اور نکاح کے اسلامی قوانین شائع ہوئے۔ وہ نوجوانی ہی سے جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور خدمات کی وجہ سے جماعت کی اہم ذمہ داریاں سنبھالیں۔ متعدد مواقع پر قائم مقام امیر اور قیم جماعت اسلامی ہند رہے۔ ۱۹۵۴ میں چھ ماہ کے لیے امیر جماعت بھی رہے۔ ۱۹۹۴ تک مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ ان کا خصوصی میدان تصنیف و تالیف تھا۔ ان کی رہنمائی میں ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی نے درخشاں علمی روایت قائم کی۔ وہ خود ۲۵ سے زائد کتابوں کے مصنف تھے، جن کا تحریک اسلامی کے کارکنوں کی تربیت میں نمایاں کردار ہے۔ صرف اساس دین کی تعمیر ہی نے معلوم نہیں کتنی زندگیوں کی تعمیر کی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی بہت اچھی مہمان داری کرے اور ان کی کتب کے صدقہ جاریہ کا اجر انھیں پہنچتا رہے۔

حسن اتفاق سے تحریک اسلامی کے معروف ادیب اور دانش ور ڈاکٹر عبدالمغنی ان دنوں بھارت سے آئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ہماری درخواست پر ایک مختصر تاثر لکھا ہے جو شکریے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

مولانا صدر الدین اصلاحی مرحوم ایک دینی مکتب فکر اور مدرسۃ العلوم کے اہم ترین نمایندوں میں سے ایک تھے۔ وہ زندگی بھر تصنیف و تالیف کے ذریعے اسلام کی تبلیغ میں منہمک رہے۔ دینی علوم کے ایک بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دینی علوم کے معلم اور علما و مصنفین کے مربی بھی تھے۔ شخصی طور پر ان کا کردار ضبط نفس، بے غرضی اور صبر و تحمل کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ اپنے نقطہ نظر پر اصرار کرنے کے باوجود اجتماعی نظم و ضبط کے قائل اور اس پر کاربند رہے۔ انھوں نے اختلاف رائے کو اپنی انفرادیت کا مسئلہ نہیں بنایا۔ جماعتی اصول و ضوابط کی پابندی اور اطاعت امیران کا شیوہ رہا۔ ان کی یہ خوبی انھیں بعض ہم عصر اور ہم مشرب رفیقوں سے ممتاز کرتی ہے اور نئی نسل کے لیے ایک نمونہ عمل ہے۔

موصوف نرم دم گفت و گو، گرم دم جستجو تھے۔ وہ بہت خاموشی سے اپنے علمی و تصنیفی مشاغل میں یک سوئی کے ساتھ مصروف رہے۔ صحت کی خرابی بھی ان کے اس مشغلے میں زیادہ خلل انداز نہ ہوئی۔ اس معاملے میں ان کی استقامت اور استواری بہت نمایاں اور سبق آموز تھی۔

میری نگاہ میں مولانا صدر الدین مرحوم کا اہم ترین کارنامہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ کی مبسوط تفہیم القرآن کا خلاصہ ہے۔ اس کی جامعیت اور حسن ترتیب نے آج کی مصروف زندگی میں عام اصحاب ذوق کے لیے تفہیم القرآن کے مطالعے میں بڑی سہولت پیدا کر دی اور اس طرح اس عظیم الشان تفسیر کو بکثرت ان اہل علم تک پہنچا دیا جو عدیم الفرصت ہیں۔ اس سے تفسیر کی عام مقبولیت میں اضافہ بھی ہوا۔

ان علمی و دینی خدمات کے لیے مولانا صدر الدین اصلاحی مرحوم ان شاء اللہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

رمضان المبارک رعایتی سکیم

فضائلِ قرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	42/-	25/-
کتاب الصوم	〃 〃	75/-	45/-
شعورِ حیات	مولانا محمد یوسف اصلاحی	45/-	27/-
شعورِ حیات	〃 〃	45/-	27/-
گلدستہ حدیث	〃 〃	20/-	12/-
شمعِ حرم	〃 〃	36/-	22/-
خاصانِ خدا کی نماز	ابو محمد امام الدین	24/-	15/-
خاصانِ خدا خوفِ آخرت اوّل	〃	21/-	13/-
〃 〃 〃 〃 دوم	〃		13/-
مطالعہ حدیث	محمد فاروق خاں	75/-	45/-

یہ رعایتی سکیم رمضان المبارک کے لیے ہے ✦ ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

البدر پبلی کیشنز 23- راحت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون : 7225030

رسائل و مسائل

بنک میں زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال: میں نے اپنی کچھ رقم بنک میں رکھی ہے کیوں کہ ہمارے ملک میں امن و امان کی صورت حال مایوس کن ہے۔ بنک سود بھی دیتا ہے اور زکوٰۃ بھی کاٹتا ہے۔ کیا اس طریقے سے زکوٰۃ دینے کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا مجھے اپنے ہاتھوں سے مزید رقم زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے؟ بنک نے جو رقم کاٹی ہے' اسے کیا سمجھا جائے؟

جواب: بنک میں رکھی ہوئی رقم سے اگر حکومت زکوٰۃ کاٹ لے تو اتنی رقم کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے جتنی رقم کی زکوٰۃ کاٹی گئی ہو۔ مزید رقم جو گھر میں ہو' یا کاروبار میں لگی ہوئی ہو' اس کی زکوٰۃ اور سامان تجارت (اگر کوئی ہو) یا سونا چاندی زیور کی شکل میں یا کسی دوسری شکل میں یا اپنی اصل شکل میں ہو تو اس کی زکوٰۃ الگ سے نکالنا ہو گی۔ سود دینا اور لینا دوسرا مسئلہ ہے۔ اس کا زکوٰۃ کی ادائیگی اور عدم ادائیگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طرح ایک آدمی نماز پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ برے کام بھی کرتا ہے' رشوت لیتا ہے' سودی کاروبار کرتا ہے تو اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے مگر رشوت اور سودی لین دین کا گناہ بھی ہوتا ہے۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جس کی بنک میں رکھی ہوئی رقم سے زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے اور اس کے ساتھ وہ سود بھی لیتا ہے۔ یہی معاملہ حکومت کا ہے جو زکوٰۃ بھی وصول کرتی ہے اور سود بھی دیتی ہے۔ اس کا زکوٰۃ لینا صحیح ہو گا اور سود دینا ناجائز۔

موجودہ حکومتیں یہی تو کر رہی ہیں کہ انھوں نے اسلام اور غیر اسلام کا ملغوبہ تیار کیا ہوا ہے۔ زکوٰۃ وصول کر کے اپنے آپ کو اسلامی حکومت ظاہر کرتے ہیں اور سود لے کر اپنے آپ کو ترقی یافتہ حکومتوں کی صف میں کھڑا کر دینے کا دعویٰ کر رہے ہیں' اور معاشی ترقی کی خوش خبریاں سنا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سودی کاروبار چھوڑ دیں تو دنیا کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اسی تضاد کا نقصان یہ ہے کہ جو زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے وہ بھی بے برکت ہے اور اس پر ثواب بھی پورا نہیں ملتا اگرچہ فقہی لحاظ سے اس کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔ نیکی کے ساتھ جب بدی شامل ہوتی ہے تو بعض اوقات دنیوی اور اخروی دونوں لحاظ سے نیکی بالکل معدوم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اس کے کافی حصے ختم ہو جاتے ہیں اور کچھ باقی رہ جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شراب پیتا ہے اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اور ایک حدیث میں

ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھ کر آتا ہے تو وہ نماز کا دسواں حصہ لے کر آتا ہے۔ دوسرا نواں حصہ' تیسرا آٹھواں حصہ' اور اسی طرح کوئی زیادہ کوئی کم' اور کوئی بالکل محروم لوٹتا ہے۔ (مولانا عبدالمالک)

کروڑ پتی سکیم

س: آج کل مختلف بنک اور مالیاتی ادارے کروڑوں روپے کے نقد انعامات اور کار اور دیگر پرکشش قیمتی انعامات کا لالچ دے کر ذرائع ابلاغ کے ذریعے' پوری قوم کو راتوں رات کروڑ پتی بننے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ کیا اس قسم کی اسکیمیں جوا اور قماربازی کے زمرے میں آتی ہیں؟ بعض لوگ اسے قرعہ اندازی قرار دیتے ہیں۔

ج: راتوں رات کروڑ پتی بننے اور بعض بنکوں کی طرف سے اکاؤنٹ کھولنے پر مفت کار حاصل کرنے کے حوالے سے آپ کے سوال کا جواب دینے سے قبل قرعہ اور جوے کے بنیادی فرق کی وضاحت ضروری ہے۔ بالعموم جو حضرات انعامی بانڈ یا اس قسم کی لاٹری کو رائج کرنا چاہتے ہیں' اسے قسمت کے کھیل اور قرعہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ قرعہ میں کسی قسم کی بازی نہیں لگائی جاتی' نہ سٹہ ہوتا ہے' نہ کسی رقم یا جنس کو داؤ پر لگایا جاتا ہے۔ بلکہ ایک سے زائد جائز امکانات میں سے انتخاب کے لیے کسی ایک چیز کو بلاشعور و ارادہ چن لیا جاتا ہے۔ مثلاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تو غیر جانب داری سے یہ طے فرمانے کے لیے کہ امہات المومنین میں سے کون آپؐ کے ہمراہ جائیں' قرعہ سے طے فرماتے اور بعض اوقات ان ایام میں' جن میں ام المومنین کی باری ہوتی ان کو یا ان کی رضاکارانہ رضامندی سے کسی ام المومنین کو ساتھ لے جاتے۔ اس عمل میں نہ کوئی بازی لگتی نہ کسی قسم کے نقصان کے خدشے (risk) کا دخل ہوتا۔ اس کے برخلاف عرب جاہلیت میں جوے کی مختلف شکلیں موجود تھیں جن میں رقم اور اجناس کو بازی پر لگایا جاتا تھا اور ایک معمولی رقم کو بازی میں لگا کر چند لمحوں میں ایک شخص نہ صرف مال دار بلکہ دوسرے کے اہل و عیال کا مالک بھی بن جاتا تھا۔

آج کے دور میں لاٹری کی جو شکل اختیار کی جاتی ہے یہ بعینہٖ جوے کی شکل ہے۔ ہزارہا افراد ایک معمولی رقم کے عوض ٹکٹ خریدتے ہیں اور ان ٹکٹوں پر جو نمبر درج ہوتے ہیں' ان میں سے کسی ایک پر کامیابی کی شکل میں لاکھوں روپے کے مالک بن جاتے ہیں۔ اگر ٹکٹ خریدنے کے بجائے ایک شخص دس ہزار روپے بنک میں جمع کراتا ہے اور اس کے عوض اسے ایک کاغذ کا پرزہ دیا جاتا ہے جس پر ایک نمبر لکھا ہو' پھر قرعہ اندازی سے کوئی ایک نمبر منتخب کر کے جن لوگوں نے حساب کھولا ہوا تھا ان میں سے کسی ایک کو کار دے دی جاتی ہے' تو یہ ہر لحاظ سے جوئے کی تعریف میں آتا ہے۔

یہی شکل کروڑ پتی بننے کی اسکیموں کی ہے۔ جب بھی ایک Instrument یا شے اس غرض سے لی جائے گی کہ اس کو لینے کے نتیجے میں قرعہ اندازی کے بعد جن جن افراد نے اس مقابلے میں حصہ لیا ہے' ان

میں سے جس کا نمبر نکل آئے، اسے کار یا کوئی بڑی رقم دے دی جائے تو شرعاً اس کی حیثیت وہی ہے جو عام جوے کی ہے۔ سورۃ المائدہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ○ (المائدہ ۵: ۹۰-۹۱) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہو گی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمھیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے"۔

اس معاملے کے فقہی پہلو پر قرآن پاک کے اس حتمی فیصلے کی حکمت بہ ظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اکل حلال کے لیے محنت و مشقت اور حلال ذرائع سے حصول مال و دولت کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ راتوں رات مال دار بننے کا کلچر انسانوں میں وہ جلد بازی اور سہولت پسندی پیدا کرتا ہے جو معاشی جدوجہد اور محنت کی ضد ہے۔ جلد منفعت حاصل کرنے کی خواہش ایک شخص کو اللہ کے بندے کے بجائے مال کا بندہ بنا دیتی ہے۔ اس کی تمام کاوشیں جائز و ناجائز کی تمیز سے آزاد ہو کر، صرف حصول دولت پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔

سورۃ المائدہ کی اس آیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جو سبب سود کو حرام کرنے کا تھا بعینہ وہی سبب جوئے کو حرام کرنے کا ہے۔ ایک سودی ادارہ بہت سے چھوٹے چھوٹے صارفین کی رقم لے کر اپنے معاشی مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے اور رقم جمع کروانے والوں کو ایک مقررہ شرح سے "نفع" کے نام پر سود دیتا ہے۔ اسی طرح ایک لاٹری ڈالنے والا ادارہ لاکھوں افراد سے ٹکٹ کا معاوضہ وصول کر کے کروڑوں روپے جمع کرتا ہے اور اس رقم سے ایک کار یا ایک کروڑ روپے کا ایک انعام، ان میں سے کسی ایک کو دے کر بقیہ رقم خود اپنے فائدے کے لیے استعمال میں لاتا ہے۔ نتیجتاً جن لاکھوں افراد نے ٹکٹ لیے تھے، انھیں مایوسی کے علاوہ بدلے میں کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر بالفرض انھیں مایوسی سے بچانے کے لیے کوئی تحفہ خیال خاطر رکھنے کے لیے دے دیا جاتا ہے تو اس سے ان کا اس قسم کی کسی اسکیم کے لیے ٹکٹ خریدنا جائز نہیں ہو جاتا۔ ظاہر ہے ٹکٹ خریدنے کا مقصد محض وہ معمولی تحفہ حاصل کرنا نہ تھا، اس کا اصل مقصد کروڑ پتی بننا یا کار یا کوئی اور بڑی چیز حاصل کرنا تھا۔ اسی کا نام جوا ہے۔

اس طرح کے ہتھکنڈوں سے قوم کو لالچی، مادہ پرست، خود غرض اور استحصالی بنانے کے لیے قومی دولت کا استعمال، قومی وسائل ابلاغ عام کا استعمال، منکر اور فحش کو قائم کرنا اور معروف اور حسنات کو روکنا ہے۔ قرآن کریم نے سورۃ الحج میں واضح حکم دیا ہے کہ جب اللہ کے ایسے بندوں کو زمین میں اختیار دیا جائے تو وہ نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر و فحش سے روکتے ہیں اور نفس اور مال

کے بندے نہیں بن جاتے۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج ۲۲: ۴۱) "یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکوۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔

یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کے برعکس ہم اپنے ٹی وی' ریڈیو اور اخبارات کو پوری قوم کو سود خوار' جواری اور فحش کا عادی بنانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی غلطی کا احساس دلائے اور اس حرام کام سے توبہ و استغفار کے بعد ہمیشہ کے لیے بچنے کی توفیق دے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

صحیح قرآن نہ پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز

س: ہماری مسجد میں ایک امام صاحب تقریباً ایک سال سے امامت کرا رہے ہیں۔ مگر قرآن پڑھتے ہوئے اکثر غلطیاں کرتے رہتے ہیں مثلاً اکثر مقامات پر "ع" کو نہیں پڑھتے اور اس کی جگہ "الف" پڑھتے ہیں۔ جیسے یعلمون کے بجائے یئلمون اور من شعائر اللہ کے جگہ من شئائر اللہ پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بغیر وقف کے رک جانا اور پھر آگے سے شروع کرنا' کبھی کبھی آدھی آیت سے قرات شروع کرتے ہیں اور کبھی آدھی آیت پر رکوع میں چلے جاتے ہیں۔ جب تقریر کرتے ہیں تو ایسی اسرائیلی روایات بیان کرتے ہیں کہ میں نے تو کیا کسی اور نے کبھی نہ سنی ہوں گی۔ جب ان کو کہتے ہیں کہ یہ آپ غلط پڑھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اس سے معنی میں فرق نہیں آتا۔ ایک ہی غلطی بھول سے نہیں' بلکہ بار بار کرتے ہیں اور بتانے پر غصے بھی ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے میرے والد صاحب نے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور مجھے بھی نماز پڑھتے ہوئے مزہ نہیں آتا۔ کیونکہ میرے خیال میں قرآن میں ایک زیر کا اضافہ یا کمی اپنی طرف سے کرنا اور پھر کہنا کہ اس سے معنی میں فرق نہیں آتا' بہت بڑی زیادتی ہے۔ براہ مہربانی اس الجھن کو دور فرمائیں۔

ج: نماز پڑھانے کے لیے ایسا امام مقرر کرنا چاہیے جو صحیح قرات کرتا ہو۔ آپ نے جن امام صاحب کے حالات لکھے ہیں وہ انتہائی تشویش ناک ہیں لیکن جب تک متبادل اچھے قاری کا انتظام نہیں ہو جاتا یا وہ اپنی اصلاح نہیں کر لیتے اس وقت تک انھی کی اقتدا میں نماز پڑھنی چاہیے۔ اگر حروف کو مخارج سے نہیں بلکہ مخارج کے قریب بھی ادا کرتے ہوں تب بھی نماز جائز ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

اسی طرح اسرائیلی روایات کو جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں' بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے ان کو منع کرنا مناسب ہے۔ لیکن اس کے لیے حکمت کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ سختی یا توہین آمیز طریقے سے نہیں۔ (ع - م)

بائبل کے مطالعے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا

س: بائبل کا مطالعہ کرنے اور مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے بائبل کے کسی حصے کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے ایک مسلمان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اگر پڑھنا جائز ہے تو کیا دل میں پڑھیں یا زبان سے؟

ج: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر جائز کلام سے پہلے' جو حقیر نہ ہو' پڑھنے کی ہدایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر ذی شان کلام جو اللہ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے' بے برکت ہو جاتا ہے۔ اس کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور وہ جذام کی بیماری لیے ہوتا ہے۔

موجودہ بائبل محرف ہے۔ اس میں کچھ باتیں اصل کتاب میں سے باقی ہیں۔ اس لیے ان کے مطالعے کی نیت سے بسم اللہ زبان اور دل دونوں سے پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ بائبل کی وہ باتیں جو قرآن پاک کے مطابق ہوں گی انھیں اصل کتاب سے سمجھا جائے گا اور جو اس کے خلاف ہوں گی وہ یہودی اور عیسائی علما کی طرف سے اضافے ہیں۔ واللہ اعلم (ع - م)

خانقاہ کی شرعی حیثیت

س: ترجمان القرآن (مئی ۹۸) میں رسائل و مسائل کے تحت "خانقاہ کو مرکز ہدایت بنایئے" پڑھ کر چند اشکال پیدا ہوئے۔ کیا خانقاہ کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ خانقاہ کے نظام کو تقویت دینا کیا قبر پرستی کی قبیح رسم کو تقویت دینا نہیں ہے؟ کیا عرس منانے کی اجازت دینے سے عرس کے موقع پر ہونے والی خرافات بالخصوص عورتوں کی شرکت جیسے مسائل کو جواز نہ مل جائے گا؟ جواب واضح نہیں ہے۔ وضاحت فرمادیں۔

ج: خوشی ہوئی کہ آپ تحریر کا تنقیدی نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے جذبے میں برکت پیدا فرمائے۔ جہاں تک خانقاہی نظام کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تربیت کے لیے انتظامی تدابیر اپنے اپنے حالات اور ادوار کے لحاظ سے کرنا جائز ہے۔ بدعت کا تعلق انتظامی طریقوں سے نہیں ہو گا۔ مثلاً جماعت اسلامی ایک تنظیم ہے۔ اس کا ایک تربیتی پروگرام ہے یعنی ہفتہ وار اجتماعات' ماہانہ اجتماع' مطالعہ لٹریچر وغیرہ۔ تبلیغی جماعت کا بھی ایک طریق کار ہے۔ اسی طرح علما کا تعلیمی سلسلہ ہے اور صوفیا کا اصلاح نفس کے لیے لائحہ عمل ہے۔ ان تمام طریقوں کے ذریعے' اگر کوئی شخص کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات نہیں بتلاتا تو بدعات کا ارتکاب نہیں کرتا اور یہ طریقے جائز ہوں گے۔ اس لیے کہ مقصد ان سب کا اصلاح نفس اور تعلیم و تربیت ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر ایسی تدبیر جائز ہے جو ممنوع نہ ہو اور اسے صرف

انتظامی حیثیت حاصل ہو، عبادت کا درجہ نہ دیا جائے۔ آپ نے اگر جواب زیادہ غور سے پڑھا ہوتا تو آپ کو اشکال پیش نہ آتا۔ جواب میں ایسی تمام چیزوں سے جو خلاف شرع ہیں، اجتناب کی ہدایت تھی۔ قبروں کو پختہ بنانا، ان پر کتبے تعمیر کرنا اور مروجہ عرسوں کو جواب میں جائز نہیں قرار دیا گیا بلکہ ان سارے کاموں کو شریعت کے مطابق چلانے کی تلقین کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ وضاحت کر دی گئی تھی کہ جماعت اسلامی کے کاموں کے لیے جماعت اسلامی کے طریقے کے مطابق ان کاموں کو کیا جائے نیز یہ بھی کہ والد صاحب کے تمام مریدوں کو درس قرآن و حدیث، سیرت النبیؐ اور سیرت صحابہؓ و تابعینؒ سے وابستہ کیا جائے۔ جواب پہلے بھی واضح تھا۔ امید ہے اب آپ پر بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔ (ع - م)

بانڈز، قرعہ اندازی کی شرعی حیثیت

س: اگر انعامی بانڈ کی قرعہ اندازی میں انعام مل جائے تو اس کے جائز مصارف کیا ہیں، یعنی وہ رقم کہاں خرچ کی جائے؟ اگر رشتے دار و اقارب میں تقسیم کر دیا جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ کیا اس رقم سے کاروبار کیا جا سکتا ہے؟ اگر کاروبار کرنے والے مقروض ہوں تو اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے؟ اگر کاروبار میں لگا کر آہستہ آہستہ وہ رقم نکال لی جائے تو کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

ج: انعامی بانڈز میں دراصل سود کی وہ رقم جو الگ الگ تقسیم کی جاتی ہے، اکٹھی کر کے ایک یا دو یا چند آدمیوں کو دے دی جاتی ہے۔ یہ دراصل سودی رقم ہے۔ سودی رقم کو خود نہیں استعمال کرنا چاہیے بلکہ اپنے اعزہ و اقارب میں یا جو علاقے کے مستحق ہیں ان کو دے دینی چاہیے، صدقے کی نیت سے نہیں بلکہ مصرف میں خرچ کرنے کی نیت سے۔ اس رقم سے کاروبار بھی نہیں کرنا چاہیے۔ کاروبار حلال و جائز مال سے کیا جائے۔ انعامی بانڈز کے ذریعے لوگوں کے اندر جوے کی بیماری بھی پیدا کی جاتی ہے۔ انعام کے بہانے سودی رقم بھی کھلائی جاتی ہے اور انعام کے لالچ میں بے شمار لوگوں سے رقم بھی جمع کی جاتی ہے۔ (ع - م)

کتاب نما

"المرتضیٰ" ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ ناشر: مکتبہ سید احمد شہید' ۱۰۔ کریم مارکیٹ' اردو بازار' لاہور۔
صفحات: ۴۸۰۔ قیمت: درج نہیں۔

دور حاضر کے معروف عالم دین اور اردو اور عربی زبان کے بلند پایہ ادیب مولانا ابوالحسن علی ندوی نے یہ کتاب لکھ کر ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے۔ یہ اس کا اردو ترجمہ ہے۔ بعض مقامات پر زبان ذرا سی مشکل ہو گئی ہے اور بعض تراکیب بھی نامانوس لگتی ہیں۔ ترجمہ بحیثیت مجموعی بڑا رواں ہے۔ بہ ظاہر یہ حضرت علیؓ کی سیرت ہے لیکن اس میں باقی تین خلفائے راشدین کا تذکرہ بھی تفصیل سے آگیا ہے اور یہ ایک حد تک ناگزیر بھی تھا جس سے اس کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔ حضرت علیؓ کی اولاد' بالخصوص حسنین رضی اللہ عنہما اور واقعہ کربلا کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر حضرت علیؓ کی اولاد میں سے جن نمایاں حضرات نے اموی اور عباسی دور حکومت میں تجدید و احیائے دین کی جو کوششیں کیں' مصنف نے ان کو بھی بیان کر دیا ہے حتیٰ کہ برعظیم پاک و ہند کے معروف سادات' صوفیا اور مصلحین کا تعارف اور ان کے کام کی جانب اشارات بھی اس کتاب میں مل جاتے ہیں' اگرچہ یہ غیر مکمل بلکہ ناقص ہیں۔ ان شخصیات میں بعض اہم ناموں کا تذکرہ نہیں ہوا حتیٰ کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اسلامی تحریک جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام بھی غائب ہے۔

حضرت علیؓ کا زمانہ خلافت ایک پر آشوب زمانہ تھا۔ پے در پے حوادث کے نتیجے میں اتحاد امت پارہ پارہ ہو گیا' حد یہ کہ آپؓ کے بعد خلافت راشدہ بھی قائم نہ رہ سکی۔ اس لیے سیرت علیؓ کے موضوع پر لکھنے والوں کو مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ بڑا اہم سوال ہے کہ خلافت راشدہ' بادشاہت میں کیوں تبدیل ہوئی؟ اس سوال کا جواب دیانت داری اور جرات مندی سے دے کر ہی تاریخ کا قرض چکایا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؓ کا ہر سیرت نگار اپنے اپنے انداز میں اس سوال کا سامنا کرتا ہے' زیر نظر کتاب کے محترم مصنف نے بھی اس کی کوشش کی ہے اور وہ اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زمانہ خلافت' حضرت علیؓ کی زندگی کا ایک مختصر سا حصہ ہے۔ حکمران

ہونے کے علاوہ آپؓ کی بہت سی دوسری حیثیتیں بھی ہیں۔ آپؓ کی شخصیت بڑی ہمہ پہلو ہے۔ مثلاً دین کا علم اور اس کا صحیح فہم آپؓ کا خصوصی امتیاز ہے۔ اس کے علاوہ شجاعت و جرات' جود و سخا' ایثار و قربانی' زہد و تقویٰ' دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت اور ذوق عبادت آپؓ کی زندگی کے چند نمایاں پہلو ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے کہ آپؓ کی سیرت اس طرح بیان کی جائے کہ اس میں آپؓ کی زندگی کے سارے پہلو نکھر کر سامنے آجائیں اور آپؓ کی ایک حقیقی تصویر نظروں کے سامنے آجائے۔ تحریک اسلامی کے کارکنوں کی تربیت کے لیے بھی یہ بات نہایت ضروری ہے۔ مصنف نے تو اپنے ذوق کے مطابق یہ فرض ادا کر دیا ہے لیکن حضرت علیؓ کی سیرت عام فہم اور معروضی انداز میں اختلافی مسائل پر غیر ضروری زور دیے بغیر بیان کرنے کی ضرورت بدستور موجود ہے۔

کتاب میں بعض باتیں کھٹکتی ہیں' مثلاً یہ بات محل نظر ہے کہ شادی کے وقت آپؓ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی' اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ آپؓ بعثت نبویؐ سے دس برس قبل پیدا ہوئے۔ اس طرح مدینہ منورہ ہجرت کے موقع پر آپؓ کی عمر ۲۳ سال بنتی ہے اس کے بعد سنہ ۲ ہجری میں آپؓ کی شادی ہوئی۔ اس لحاظ سے اس وقت آپؓ کی عمر ۲۴' ۲۵ سال کے درمیان ہونی چاہیے۔ اسی طرح نہج البلاغہ کے حوالہ جات بھی کھٹکتے ہیں کیونکہ حضرت علیؓ کے ساتھ جمہور علما اس کتاب کے انتساب کو صحیح نہیں سمجھتے۔ (سجاد احمد نیازی)

علی گڑھ سے دیوبند تک ' ڈاکٹر اکبر رحمانی۔ ناشر: ایجوکیشنل اکاڈمی' اسلام پورہ' جل گاؤں (مہاراشٹر' بھارت)۔ صفحات: ۱۷۶۔ قیمت: ۶۰ روپے۔

اپریل ۱۹۹۲ میں سید حامد سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی قیادت میں' ایک "تعلیمی کارواں" نے بارہ دن تک یوپی کے مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ اس کا اہتمام یوپی رابطہ کمیٹی علی گڑھ نے کیا تھا۔ جس کے نگران' علی گڑھ یونی ورسٹی کے ناظم دینیات سعود عالم قاسمی تھے۔ یہ کارواں علی گڑھ سے شروع ہوا اور دیوبند جا کر ختم ہوا۔ اکبر رحمانی بھی کارواں میں شریک تھے۔ زیر نظر کتاب اسی کارواں کا تعلیمی سفرنامہ ہے۔ کارواں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے اندر تعلیمی شعور بیدار کیا جائے۔ اس نے قائم گنج' فرخ آباد' قنوج' کان پور' فتح پور' الہ آباد' بنارس' غازی پور' اعظم گڑھ' سرائے میر' لکھنؤ' شاہ جہاں پور' بریلی' رام پور' مراد آباد' بجنور' مظفر نگر اور سہارن پور کا دورہ کیا۔ تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں سے ملاقات کی اور جلسوں میں خطاب کیا۔ علمائے کرام کے نام ایک اپیل بھی شائع کی گئی۔ کارواں میں بہت سے ماہرین تعلیم بھی شامل تھے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ بحیثیت مجموعی مسلمان ہندوؤں کے مقابلے میں تعلیمی اور معاشی اعتبار سے

پس ماندہ ہیں۔ مخالفانہ حالات و ماحول کے سبب انھیں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا ہے مگر خود ان کے اندر بھی نفاق و انتشار اور تنازعات بہت ہیں۔ اکبر رحمانی مختلف شہروں میں مسلمانوں کی عمومی معاشرتی اور معاشی حالت کا بھی ذکر کرتے ہیں' مثلاً بتاتے ہیں کہ مراد پور میں خوب صورت نقش و نگار والے پیتل اور تانبے کے برتنوں کی صنعت پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں لیکن اصل فائدہ ہندو تاجروں کو مل رہا ہے۔ غریب اور محنت کش والدین اپنے کم عمر بچوں کو کارخانوں میں جھونک دیتے ہیں۔ ایک تو وہ تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ دوسرے کارخانوں میں کام کرنے سے بہت جلد ٹی بی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ غلامی کے مقابلے میں آزادی' اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ کتاب دلچسپ اور معلومات افزا ہے' مگر طباعت بہت ناقص ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

صحیفہ ہمام بن منبہ' ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ناشر: رشید اللہ یعقوب' ۸- زمزمہ اسٹریٹ نمبر ۳' کلفٹن' کراچی ۷۵۶۰۰۔ صفحات: ۲۰۳۔ بلاقیمت بطور ہدیہ از ناشر۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ۱۹۵۶ میں برلن اور دمشق کی لائبریریوں سے دور صحابہؓ کے الصحیفہ الصحیحہ کے مخطوطات کا تقابلی مطالعہ کر کے اسے اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا۔ یہ ایک غیر معمولی تحقیقی اہمیت کا کام تھا۔ ۱۳۸ احادیث کا یہ مجموعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کو املا کرایا تھا۔

اس طرح مستند ثبوت فراہم ہو گیا ہے کہ دور صحابہؓ ہی میں احادیث کی کتابت کا آغاز ہو گیا تھا۔ مغربی اور بعض نام نہاد مسلمان اہل قلم کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح احادیث کی صحت کو مشکوک بنا کر ان سے پیچھا چھڑایا جائے۔ احادیث کی تدوین اور حفاظت پر دیباچے (۲۵ - ۸۹) اور پھر بازیاد (ص ۱۹۲-۲۰۳) میں ڈاکٹر صاحب نے اولین دور میں احادیث کی کتابت اور سند کے اہتمام کے اتنے ثبوت جمع کر دیے ہیں کہ کسی انصاف پسند شخص کے لیے شک و شبہ کی کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ اس صحیفے کے بھی دونوں مخطوطوں کی سماعتیں مکمل نقل کی گئی ہیں۔ مخطوطہ دمشق' ۶۷ ہجری میں' اور مخطوطہ برلن' ۸۵۶ ہجری میں لکھا گیا ہے۔ اس صحیفے کی تمام احادیث مسند احمد بن حنبل میں باب ابو ہریرۃؓ میں نقل کی گئی ہیں اور بخاری اور دیگر کتب میں مختلف جگہوں پر آئی ہیں۔ یہ احادیث کسی موضوع کی مناسبت سے نہیں ہیں' متفرق ہیں۔ ایک حدیث تذکیر کے لیے پیش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا۔

کراچی کے ایک صاحب خیر نے ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے بلاقیمت فراہم کرنے کے لیے چوتھا ایڈیشن

شائع کیا ہے جو بہت خوب صورت ہے اور ہر لحاظ سے معیاری۔ عربی متن بہت صاف اور اعراب کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ (مسلم سجاد)

مسلم دنیا' ۹۷-۱۹۹۶' تحریر و تحقیق: فیض احمد شہابی۔ ناشر: مکتبہ معارف اسلامی' منصورہ' ملتان روڈ' لاہور۔ صفحات: ۱۸۷۔ قیمت: درج نہیں۔

یہ کتاب مسلم اقلیتوں کے حالات و واقعات اور اسلامی ملکوں میں ہونے والی تبدیلیوں کا جامع ریکارڈ ہے۔ ادارہ معارف اسلامی اس سے قبل بھی اس طرح کی ایئر بک (شمارہ ۱'۲'۳) پیش کر چکا ہے۔ موجودہ شمارہ (۴'۵'۶) ۱۹۹۶ اور ۱۹۹۷ کے حالات پر مبنی ہے۔

حالات عالم تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں (جس کے نتیجے میں فاصلے بالکل سمٹ چکے ہیں)۔ مسلم امت کو بھی اسی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کے مسائل و حالات اور تجربات سے آگاہی کی اشد ضرورت ہے۔ اطلاعات و نشریات کے اس دور میں باہمی بے خبری کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس تالیف میں ممالک کے بارے میں معلومات حروف تہجی کی ترتیب سے دی گئی ہیں۔ پہلے بنیادی معلومات (طرز حکومت' رقبہ' آبادی' آمدنی وغیرہ) فراہم کی گئی ہیں' بعد ازاں پچھلے پانچ سات برسوں میں ہونے والے واقعات کا مختصر احاطہ کیا گیا ہے اور اس کے بعد ۹۷-۱۹۹۶ میں ہونے والے واقعات اور ان کے پیش منظر و پس منظر کا ذکر ہے۔ اس طرح قاری کو ایک واضح رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ واقعات کے اندراج میں حتی المقدور صحت کا خیال رکھا گیا ہے۔ تاہم کچھ ممالک کے تازہ ترین حالات نہیں آ سکے' مثلاً البانیہ کے تذکرے میں ۱۹۹۴ کے بعد کے حالات کا ذکر نہیں ہے جبکہ وہ شدید بحران سے گزرا ہے۔

اس اہم مجلے کی تیاری پر جو محنت کی گئی ہے' وہ قابل داد ہے۔ لائبریریوں' طلبا' علما' قانون دان' مقابلے کے امتحانات میں شرکت کرنے والوں اور امت مسلمہ کے حالات سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین کے لیے بھی یہ نادر تحفہ ہے۔ (محمد ایوب منیر)

روزہ اور رمضان' مرتبہ: خرم مراد۔ ناشر: منشورات' منصورہ' لاہور۔ صفحات: ۸۶۔ قیمت: ۱۵ روپے' فی سیکڑہ: ایک ہزار روپے۔

مرحوم خرم مراد نے' اپنے زمانہ ادارت میں روزے اور رمضان سے متعلق بعض اکابر اور بعض معاصر علما کی منتخب تحریریں ترجمان القرآن میں شائع کی تھیں۔ اسی انتخاب کو اب ایک مضمون کے اضافے کے ساتھ زیر نظر کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ لکھنے والے: سید قطب' امام غزالی' شاہ ولی اللہ' سید

قطب شہید، مولانا اشرف علی تھانوی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید سلیمان ندوی، عروج احمد قادری، محمود فاروقی اور حکیم محمد سعید شہید --- موضوع جیسا پاکیزہ ہے، اور لکھنے والوں کو موضوع پر جیسی مہارت اور قلم پر جیسی گرفت حاصل ہے، کتاب کی طباعت و پیش کش بھی ویسی ہی حسین و جمیل اور سرورق دل کش ہے۔ ماہ مقدس میں اہتمامِ صیام و عبادات کے ساتھ، ایسی کتابوں کی نشرواشاعت اور انھیں زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانا بھی رمضان المبارک کی سعادتوں میں شمار ہو گا۔ (ر - ہ)

(مجلہ) **پکار**، ذرائع ابلاغ نمبر۔ مدیرہ: عظمیٰ لطیف۔ مقام اشاعت: ۷-ابدالی سٹریٹ، اتحاد کالونی، لاہور۔ صفحات: ۱۳۲۔ قیمت: ۱۵ روپے۔

ذرائع ابلاغ (میڈیا) کے ذریعے پھیلائی جانے والی فکر، اکثر و بیش تر صورتوں میں ہماری تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی زندگی کے لیے حد درجہ ضرر رساں ہے۔ نسل نو کو اس کے منفی اثرات سے کیسے اور کیونکر بچایا جائے؟ اور اس سے مثبت اثرات حاصل کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے پکار کا یہ خاص نمبر مرتب کیا گیا ہے۔ قلم کاروں میں نوآموز لکھنے والی طالبات بھی ہیں، اور معروف اہل علم و دانش بھی۔ یوں اصلاح ذرائع ابلاغ کے لیے مفید، اور معلومات افزا بہتر مواد جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ جناب مرزا ادیب کا ایک مصاحبہ (انٹرویو) بھی شامل ہے۔

یہ خاص نمبر اس لیے بھی قابل تعریف ہے کہ اس سلسلے میں بنیادی فریم ورک اور کاوش طالبات کی ہے۔ نوجوان نسل کا اس مسئلے کی نزاکت کو محسوس کرنا، اور اس ضمن میں اصلاح احوال کے لیے کاوش، پاکستان کے مستقبل کے لیے ایک فال نیک ہے۔

رسالے کا سرورق خوب صورت اور جان دار ہے۔ پروف ریڈنگ کی اغلاط پر توجہ دینے کی بہت ضرورت ہے۔ حصہ نظم کا معیار بھی مزید بہتر بنانا چاہیے۔ (زبیدہ جبیں)

مطبوعات موصولہ

☆ **علامہ اقبال اور بلوچستان**، ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، بہ اشتراک سیرت اکادمی بلوچستان، معرفت مکتبہ شال ۲۷۲، اے، او بلاک ۳، سیٹلائیٹ ٹاؤن، کوئٹہ۔ صفحات: ۲۶۸۔ قیمت: ۱۶۰ روپے۔ [اقبال کا سفر بلوچستان، لاہور میں اقبال سے بعض بلوچی اصحاب کی ملاقاتیں، بلوچستان کے اقبالیاتی ادارے اور ان میں ذکر اقبال، اقبال سے فکری طور پر متاثر شعرا، ادبا، نیز پشتو، بلوچی اور براہوی رسالوں اور کتابوں میں ذکر اقبال --- یہ اس کتاب کا دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن ہے اپنے موضوع پر ایک معلومات افزا اور عمدہ کتاب]۔

تعلیم القرآن

مرتبہ صابر قرنی رح

قرآن کلاسوں کے لیے بہترین پارے

انفرادی اور اجتماعی مطالعہ کے لیے رمضان المبارک میں بالخصوص
اور بالعموم دوسرے مہینوں میں قرآن کو قرآن کی زبان میں سمجھنے
کے لیے نادر تحفہ

پاروں کی خصوصیات

- لفظ بہ لفظ ترجمہ
- آسان رواں ترجمہ از مولانا فتح محمد جالندھری رح
- پاروں کے شروع میں فہرست مضامین
- جامع اور مختصر حواشی تفسیری مباحث اور وضاحتوں پر مشتمل
- ہر صفحہ پر عربی کی استعداد پیدا کرنے کے لیے افعال اسماء اور حروف کی تفصیل ترجمہ اور گرائمر کے ساتھ
- ہر پارے کے آخر میں مضامین کا خلاصہ
- پارہ کے مشکل اور ضروری الفاظ کی لغت

پارہ ۱ تا ۱۰ اور ۲۹، ۳۰ چھپ چکے ہیں

پارے بذریعہ وی پی یا دستی منگوائے جا سکتے ہیں

سائز : "8x5

ہدیہ فی پارہ : -/30 روپے

ادارہ تعلیم القرآن

19-C منصورہ ملتان روڈ لاہور Phone : 7831658

مدیر کے نام

حامد عبدالرحمٰن الکاف، صنعا، یمن

شیخ احمد سرہندیؒ پر مضمون (نومبر ۹۸) جان دار، تاریخی اور تحقیقی تھا۔ پروفیسر عبدالقدیر سلیم اس آدھی حقیقت کو پہنچ گئے کہ شیخ صاحب (اکبری دور کا ذکر نہیں) جہاں گیر اور شاہ جہاں کے دور میں بھی کسی قسم کی سیاسی تبدیلی یا اثر انگیزی کا کام انجام نہ دے سکے۔ بلکہ جہاں گیر نے انھیں اپنا درباری بنا کر ان کی ساری سرگرمیوں کو یک لخت بند کر دیا۔ حقیقت کا دوسرا آدھا حصہ جس کے بارے میں صاحب مضمون غلط فہمی کا شکار ہیں، تصوف کے بارے میں ہے۔ شیخ احمد سرہندیؒ نے درحقیقت وحدۃ الشہود کے نظریے کو ابن عربی کے وحدۃ الوجود کے نظریے پر کھڑا کیا ہے، اس کی نفی نہیں کی ہے۔ اس کو محترم علی میاں "اضافہ" کہتے ہیں، دعوت و عزیمت کی چوتھی جلد میں دیکھ لیں۔

امجد عباسی، لاہور

حضرت مجدد کا سیاسی ماحول (نومبر ۹۸) تاریخی پس منظر، تحقیق اور جامعیت کے لحاظ سے بہت اچھا مضمون تھا۔ ایک صدی سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد آج بھی حکمرانوں کا مذہب کے حوالے سے رویہ، نظریہ ضرورت کے تحت اسلام کا نعرہ بلند کرنا اور پھر بھول جانا، صوفیا اور مذہبی طبقے کا حکمرانوں کی اصلاح کی کوشش کرنا اور تحریک اسلامی کی اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد میں اس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ تاریخ کے منظر پر دینی اور لادینی کی کش مکش ہر دور میں ہی رہی ہے۔

حافظ محمد ادریس، لاہور

اشارات (نومبر ۹۸) میں اجتماع عام اسلام آباد کے حوالے سے سنیاس تجربہ (ص ۸) کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے جس کا مفہوم دنیا چھوڑ دینا، تیاگ اور جوگ کے ہیں مگر یہ ایک ہندوانہ اصطلاح ہے۔ ہندومت میں یہ ایک باقاعدہ مذہبی عقیدہ ہے جسے چوتھا آشرم کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد دنیا ترک کر دینا یا دنیا کو تیاگ دینا ہے اور ایک لمبے عرصے کے لیے جنگل میں چلا جانا ہے۔ دعوت اسلامی کے لیے اس ترکیب کا استعمال موزوں نہ تھا۔

شبیر عباسی، گوجرانوالہ کینٹ

اخبار امت میں ملائشیا کی تازہ ترین صورت حال اور کوسووا کے بارے میں بہت ضروری اور عمدہ معلومات تھیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں پروفیسر عبدالقدیر سلیم نے ٹھیک رخ پر تجزیہ کیا جس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ خواتین کی دینی خدمات کا دائرہ، بڑی موثر اور دل نشیں تحریر ہے۔ سرورق پر توجہ دیجیے۔ یکسانیت اکتاہٹ کا سبب بنتی ہے۔

اشاریہ: "ترجمان القرآن" ۱۹۹۸

مرتبہ: شائستہ ہاشمی

اشارات:

۶۰ سال پہلے:

//	[کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی] باہمی تقسیم کار	اگست	۲
//	ہندو ذہنیت	نومبر	۲
//	[ہندو قوم پرست اور قادیانی]	اپریل	۲
//	[مجھ پر چند اعتراضات]	جنوری	۲
//	بنک کا سود: جواز کی تلاش	جون	۲
//	رسالہ "الجمعیت" سے ایک درخواست۔ دارالاسلام کے لیے پہلا عطیہ	جولائی	۲

حکمت مودودیؒ:

مودودی، سید ابوالاعلیٰ	استحکام پاکستان کی واحد صورت [ایک انٹرویو]	مارچ	۱۷–۲۲
//	اسلام کا انداز حکمرانی	فروری	۱۷–۲۲
//	توہین رسالتؐ	جون	۱۹–۲۰
//	جدید مسائل، شریعت کے راہ نما اصول	اکتوبر	۲۹–۳۲
//	حریت فکر کے احیا کی ضرورت	مئی	۲۳–۲۵
//	خلق اور اعادۂ خلق	دسمبر	۳۳–۳۴
//	عقلی دلیل کا مطالبہ	اگست	۱۸–۲۱
//	مختار کل انتظامیہ	جنوری	۱۵–۱۹
//	نفاذ شریعت: مفہوم اور تقاضے	نومبر	۱۵–۱۷

فہم قرآن:

احمد عروج قادری، سید (تدوین: امجد عباسی)	اسلامی معاشرے کی تعمیر: بنیادی اصول	جون	۲۱–۳۱
خرم مراد (تدوین: امجد عباسی)	دعوت کے نشان راہ	اگست	۲۳–۴۰
//	شب قدر کی عظمت	دسمبر	۱۵–۲۷
خورشید احمد	رمضان، شہر القرآن	دسمبر	۲۹–۳۲
سید قطب شہید، (ترجمہ: سید حامد علی)	فریضہ جہاد، حکمت اور مقاصد	اکتوبر	۳۳–۳۸
// (ترجمہ: سید حامد علی)	قیادت کے تقاضے	فروری	۲۳–۲۹
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	اللہ کی راہ میں خرچ	اپریل	۲۱–۲۳

فہم حدیث:

اشرف علی تھانوی، مولانا (تدوین: عارفہ اقبال)	روزہ اور ترک نماز	جنوری	۱۷–۱۹
عبدالمالک، مولانا	اطاعت رسولؐ کا شوق	ستمبر	۱۳–۱۹

٭	شکر کا رویہ	جولائی	۳۵-۳۸
٭	کلامِ نبوی کی کرنیں	نومبر	۱۹-۲۲
مسلم سجاد	نرم خوئی	مئی	۲۷-۳۰
٭	وقت کی منصوبہ بندی	مارچ	۲۳-۲۶

فقہ و اجتہاد:

عبدالباری، ڈاکٹر سید	اجتہاد اور اقبال	نومبر	۲۵-۳۵
گوہر رحمٰن، مولانا	یتیم پوتے کی وراثت	ستمبر	۳۹-۶۶
معروف شاہ شیرازی، سید (تدوین و تلخیص: مسلم سجاد)	اسلامی حکومت میں عدلیہ کا مقام اور اختیارات	اگست	۳۹-۶۰
٭	عہدِ رسالتؐ میں اسلامی ریاست کے بنیادی ادارے	جنوری	۲۱-۴۶

تزکیہ و تربیت:

اشرف علی تھانوی، مولانا	غض بصر: نگاہ کی حفاظت و عفت	مئی	۳۹-۴۴
٭	لایعنی باتوں سے پرہیز	اکتوبر	۳۹-۴۱
شاہ ولی اللہ (تدوین: عبدالرشید صدیقی)	روزوں کی حکمت	جنوری	۲۱-۲۳
شیخ محمد غزالی (ترجمہ: محمد فاروق خٹک)	عزت و ذلت کا مفہوم	فروری	۳۱-۳۳
عبدالرشید صدیقی	تربیت و تزکیہ: اہمیت و شرائط	اگست	۴۱-۴۷
	تربیت و تزکیہ: تربیت کا عمل اور طریقہ کار	ستمبر	۳۹-۴۸
عبداللہ دانش	عالم کی شان	جون	۳۳-۴۱
عبداللہ فہد فلاحی، ڈاکٹر	معاصر اسلامی تحریکات کا نظام تربیت و تزکیہ	دسمبر	۳۵-۳۶

دعوت و تحریک:

خرم مراد	انقلاب کا راستہ: ایمان، جہاد اور دعوت	اکتوبر	۴۳-۵۴
٭ (تدوین: سلیم منصور خالد، امجد عباسی)	قرآن کا پیغام	جنوری	۲۵-۳۹
وسیم خان راؤ محمد	کام کے منصوبے	مئی	۵۵-۵۹

اخبار امت:

ابو معاذ	بوسنیا میں کاروانِ رحم	اپریل	۶۵-۶۶
اظہر اقبال	ملائیشیا کی صورت حال	نومبر	۴۳-۴۷
حامد عبدالرحمٰن الکاف	ترک اسرائیلی امریکی مثلث	جنوری	۵۰-۵۳
عبدالغفار عزیز	ارض فلسطین: نیا ابھرتا ہوا منظر	جون	۵۱-۵۴

رسائل و مسائل:

اصلاحی، محمد یوسف	سب سے اچھی دعا	اکتوبر	۷۰-۷۳
"	قبول نہ ہونے پر بھی دعا مانگتے رہنا	اگست	۷۴-۷۷
"	مقروض کی زکوٰۃ	جنوری	۵۵-۵۸
"	شادی کے باوجود علیحدہ رہنا	اکتوبر	۶۵-۷۰
"	نکاح سے محروم لڑکی	جنوری	۵۹-۶۱
انیس احمد، ڈاکٹر	اسلامی فقہ اکیڈمی، بھارت اقساط پر خریداری	فروری	۷۱-۷۳
[انیس احمد، ڈاکٹر]	اسلام اور تصور جشن	فروری	۶۸-۷۱
انیس احمد، ڈاکٹر	بیٹی یا بیٹے کا مسئلہ	اپریل	۶۷-۶۸
"	سید اور غیر سید کے نکاح کا مسئلہ	مئی	۷۴-۷۷
"	کموڈٹی سکیم	دسمبر	۶۲-۶۳
خرم مراد	جذبہ محبت میں بے اعتدالی	نومبر	۷۲-۷۳
"	دعا کے لیے وسیلہ	اپریل	۷۱
"	معذوری اور بیماری میں اجر	مارچ	۷۱-۷۲
"	نظم کی ذمہ داری سنبھالنے پر	جون	۷۰-۷۱
منور حسن، سید	اخلاقی اوصاف اور سیاست	جون	۷۱-۷۳
عبدالماجد دریابادی، مولانا	جزا و سزا اور توبہ و استغفار	مارچ	۶۷-۷۰
عبدالمالک، مولانا	استخارے کی شرعی حیثیت	اگست	۷۱-۷۴
"	بینک میں زکوٰۃ کی ادائیگی	دسمبر	۶۱-۶۲
"	بانڈز: قرعہ اندازی کی شرعی حیثیت	دسمبر	۶۲
"	پردے میں غلو	ستمبر	۷۴
"	تقرب الٰہی اور ذکر الٰہی	ستمبر	۷۱-۷۳
"	تقریر میں قسم اٹھانا	فروری	۶۷-۶۸
"	جینز کا وراثت سے تعلق	جنوری	۵۸-۵۹
"	خانقاہ کو مرکز ہدایت بنایئے	مئی	۷۱-۷۳
"	خانقاہ کی شرعی حیثیت	دسمبر	۶۵-۶۶
"	زکوٰۃ کے بعض مسائل	ستمبر	۷۴-۷۵
"	صحیح قرآن نہ پڑھنے والے کے پیچھے نماز	دسمبر	۶۴-۶۵

•	غیر محرم کے ساتھ حج	مارچ	۷۰-۷۱
•	مشرک کے پیچھے نماز	ستمبر	۷۳
•	مقروض کا صدقہ کرنا	اپریل	۶۷
گوہر رحمٰن، مولانا	تنظیموں کی طرف دعوت دینا	نومبر	۷۰-۷۲
•	جماعت اسلامی اور اہل سنت	جون	۶۵-۶۹
•	جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت	نومبر	۷۲
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	جذبہ تبلیغ کی کمی	نومبر	۶۸-۷۰
•	صنعتی ترقی اور اخلاقی اقدار	جولائی	۷۷-۷۹
•	گناہ گار مومن اور نیکوکار کافر کا فرق	اپریل	۶۹-۷۰

کتاب نما

امجد عباسی — مجلہ (پیغام قرآن) سہ ماہی از ڈاکٹر گل رحیم جوہر — فروری ۸۱-۸۲

بلال مسعود، ڈاکٹر — بنیاد پرستی اور تہذیبی کش مکش از مرزا محمد الیاس، جنوری ۶۵-۲۷۔ ○ National Security and Development Strategy، از ارشد زمان، اگست ۷۹-۸۰۔

رحیم بخش شاہین، ڈاکٹر — ○ اسلامی معاشرے کی تاسیس و تشکیل از صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، مارچ ۷۵-۷۷۔ ○ اسلامی نظم اور اس کے لوازم از ڈاکٹر سید حسن الدین احمد، ڈاکٹر شجاعت علی برنی، ڈاکٹر طلعت سلطان، ڈاکٹر فرحت علی برنی، جنوری ۶۹-۷۰۔

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر — ○ اردو ترجمہ قرآن حکیم مرتبہ سید شبیر احمد، جولائی ۸۱۔ ○ اسلامی فکر کی تشکیل اور معاشرے کی تعمیر نو از محمد موسیٰ بھٹو، مارچ ۷۹-۸۰۔ ○ اقبال: چند نئے مباحث از ڈاکٹر تحسین فراقی، جولائی ۸۴۔ ○ اقبال، علامہ اقبال کیسے بنے؟ از گوہر ملسیانی، نومبر ۷۷-۷۸۔ ○ اقبالیات کے چند خوشے از ڈاکٹر انعام الحق کوثر، جنوری ۶۸۔ ○ الم تا علم کشمیر از اصغر عابد، مارچ ۷۸-۷۹۔ ○ انسان کامل از ڈاکٹر خالد علوی، فروری ۷۴-۷۵۔ ○ پاکستان کا جوہری پروگرام: قومی سلامتی کے تناظر میں، مرتبہ: محمد الیاس خان، جولائی ۸۲-۸۴۔ ○ پاکستان کا نظریاتی بحران اور اقبال، مرتبہ: ثاقب اکبر، مئی ۸۳۔ ○ پاکستان کیوں ٹوٹا؟ از ڈاکٹر صفدر محمود، جنوری ۶۳-۶۴۔ ○ پاکستان میں بائبل بطور نصاب تعلیم و تدریس از محمد اسلم رانا، اگست ۸۳-۸۴۔ ○ تاریخ جہاد افغانستان از ڈاکٹر ایچ بی خان، جنوری ۶۴-۶۵۔ ○ تبلیغی اصول، قرآن و حدیث کی روشنی میں از ریاض احمد خان، نومبر ۷۹۔ ○ تعارف قرآن از حمید نسیم، مارچ ۷۳-۷۵۔ ○ تعلیم القرآن (اٹھارہ پارے) مرتبہ: صابر قرنی، جون ۷۵۔ ○ تفہیم

الاحادیث (اول، دوم، سوم) از سید ابوالاعلیٰ مودودی، مئی ۷۹ - ۸۱۔ ○ تفہیم الاحادیث (چہارم) سید ابوالاعلیٰ مودودی، ستمبر ۷۷۔ ○ حکیم ہمدرد اور تنہا مسافر از شیر افضل بریکوٹی، اپریل ۸۰۔ ○ روزہ اور رمضان از خرم مراد، دسمبر ۷۰ - ۷۱۔ ○ سیارہ (مجلہ) سالنامہ ۹۸، نومبر ۸۲۔ ○ شان صحابہؓ از سید ابوالاعلیٰ مودودی، مئی ۸۱ - ۸۲۔ ○ شیخ ایاز کے آخری دس سال، مرتبہ: محمد موسیٰ بھٹو، اکتوبر ۷۶ - ۷۷۔ ○ علم میرا ہتھیار ہے از سلمان حسین خان، جون ۷۸۔ ○ علوم القرآن از ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، نومبر ۸۱ - ۸۲۔ ○ علی گڑھ سے دیوبند از ڈاکٹر اکبر رحمانی، دسمبر ۶۸ - ۶۹۔ ○ غزوات رحمت للعالمینؐ از لالہ صحرائی، نومبر ۷۸ - ۷۹۔ ○ قائد اعظم کا تصور پاکستان اور ان کے اقوال از رضوان احمد، دسمبر۔ ○ لمحوں کا قرض از زاہد منیر عامر، ستمبر ۸۰ - ۸۱۔ ○ مشاہدۂ حق از علامہ آئی آئی قاضی، فروری ۷۹ - ۸۰۔ ○ نصیحت الملوک، امام غزالی، ترجمہ: ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی، اکتوبر ۷۷ - ۷۸۔ ○ ہمدرد صحت (ماہنامہ) [صحت مند بڑھاپا] از حکیم محمد سعید، اکتوبر ۷۹ - ۸۰۔

زبیدہ جبین

○ بارگاہ رسالت میں، مرتبہ: محمد متین خالد، نومبر ۷۶۔ ○ تعلیمات قرآن (دروس قرآن کا ترجمہ) از ڈاکٹر سید حسن الدین احمد، فروری ۸۰۔ ○ زمین بے قرار ہے از ساجد گل، فروری ۸۰ - ۸۱۔ مجلہ "پکار"، دسمبر ۷۱۔

سجاد احمد نیازی

"المرتضیٰ" از مولانا سید ابوالحسن ندوی دسمبر ۶۷ - ۶۸

سعید اکرم

○ خطبات خلفائے راشدین از نصیر الدین حیدر، فروری ۷۸۔ ○ نفس انسانی کے قرآنی تصورات از ظفر اسحاق انصاری، اکتوبر ۸۰ - ۸۱

سلیم منصور خالد

○ ایمان اور اخلاق از پروفیسر عبدالحمید صدیقی، فروری ۷۷۔ ○ "القلم" (مجلہ) مدیرہ: ڈاکٹر جمیلہ شوکت، اگست ۸۱ - ۸۲۔ ○ بیاد سید مودودی از ڈاکٹر سفیر اختر، نومبر ۷۹ - ۸۰۔ ○ تعلیم و تدریس: مباحث و مسائل از ڈاکٹر مشتاق الرحمٰن صدیقی، جولائی ۸۱ - ۸۲۔ ○ جماعت اسلامی کا جائزہ از مولانا عامر عثمانی، ستمبر ۷۸۔ ○ رسول اللہؐ کی وصیتیں، مرتب و مترجم ابو مسعود اظہر ندوی، جون ۷۵ - ۷۶۔ ○ شیطان عظیم امریکہ سے پرسوز آواز حق از ریمزے کلارک، مولف شفیق الاسلام فاروقی، جون ۸۲ - ۸۳۔ ○ مکتوبات مودودی از پروفیسر اشرف بخاری، اپریل ۷۳ - ۷۴۔ ○ ہندستان میں اسلامی تحریکیں از ڈاکٹر اقتدار احمد خان، فروری ۷۶ - ۷۷۔ ○ یاد ایام، مرتبہ محمد شفیع ملک، جون ۷۷ - ۷۸۔ An Introduction to Islamic Economics محمد اکرم خان، ستمبر ۸۱ - ۸۲

ظفر اسحاق انصاری

خرم مراد: حیات و خدمات

متفرق:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھیرائی گئی۔

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

یہ جاننے کے لیے کہ
پچھلے نوّے سال سے زائد عرصے سے رُوح افزا
کروڑوں شائقین کا پسندیدہ مشروب کیوں ہے،
آپ کو کسی تردّد کی ضرورت نہیں :

صرف

رُوح افزا

کا ایک گلاس نوشِ جاں کیجیے۔



ٹھنڈک اور فرحت لیے تازگی بھرا ذائقہ

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

Adarts-HRA-8/97

Phone : 7587916
7585590

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.